فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سرائی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۱۵۔۱۶۔۱۷

مصنف

سراج العلماء زبدة الفضلاء حضرت مولانا شیخ

اسمٰعیل حقی قدس سرہ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

سن طباعت

جولائی 1993ء

باہتمام

صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور۔ پاکستان

فوائد الآیات ۱- ہدایت کے جملہ اسباب کسی کو میسر ہوں تو وہ یہ سمجھے کہ کسی کو ہدایت نصیب ہو گئی ہے نعمتِ دولتِ ایمان سے نوازا جا سکتا ہے جب تک جذباتِ عنایاتِ الٰہیہ دستگیری نہ فرمائیں

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم مدد نہ فرماتا تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ صدقات دیتے نہ نمازی ہوتے۔ عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ درین راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ کوئی سالک دوستِ حقیقی کی کشش کے بغیر منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اس راہ میں دوڑ دھوپ کرے۔

ف یقین کیجیے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کا ایک سبب تلوار بھی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اسلام لائیں اور فرمایا میں تلوار اور جنگ کا حکم لے کر آیا ہوں۔

۲- اہلِ باطل کا طریقہ ہے کہ وہ حق کو باطل سمجھتے ہیں اور باطل کو حق اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب اندھے اور ان کے عقول کند ہو جاتے ہیں اسی لیے کہ وہ اپنی جہالت و ضلالت سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے برسرِ پیکار رہتے ہیں اور حق کو مٹانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اور اہلِ حق انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے نیاز مند ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بلا حیل و حجت ان کے ارشادات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں اسلام کی نورانیت کی برکت سے حق کو حق سمجھ کر اس کی اتباع اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرتے ہیں اسی لیے وہ آیاتِ الٰہی کو حق سمجھتے ہیں ان سے ان کے ساتھ استہزاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳- اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے ہر مومن و کافر کو نصیب ہو گی یہی وجہ ہے کہ کفر و معاصی پر دنیا میں مواخذہ نہیں کرتا اور نہ ہی غلطیوں پر کسی کا رزق بند کرتا ہے البتہ آخرت میں صرف اہلِ ایمان سے اس کی رحمت خاص ہو گی اور عذاب صرف کفار کو نصیب ہو گا

سوال یہ تقریر آیتِ قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا اس آیت میں ظالمین کی تباہی دنیا میں صرف ان کے ظلم سے ہوئی۔

جواب کافر ہونا اور بات ہے ظالم ہونا اور اگرچہ ہمارا وعدہ ہے کہ کافر کے کفر سے دنیا میں عذاب نہیں ہو گا لیکن جب انہوں نے کفر کے ساتھ ظلم کو شامل کیا تو انہیں ظلم کی وجہ سے سزا ملنی لازم تھی چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ملک کفر کی وجہ سے ہاتھ سے نہیں جاتا البتہ ظلم و استبداد سے چھین لیا جاتا ہے[ف]

ف اس سے ہمارے اسلامی ممالک کے سربراہ عبرت حاصل کریں ۱۲۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤی اَبْلُغَ
اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ
مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا
پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرنوں چلا جاؤں پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے
فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا
اور اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتی پھر جب وہاں سے گزر گئے موسیٰ نے خادم سے کہا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بیشک ہمیں
مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَی الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ
اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا بولا بھلا دیکھئے تو جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی تو بے شک
الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰىنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ
میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا مذکور کروں اور اس نے تو سمندر میں اپنی راہ لی اچنبھا ہے
عَجَبًا ﴿۶۳﴾

بقیہ صفحہ ۴۰۹

سوال ایک آیت میں ہے وکذالک نولی بعض الظالمین بعضا اس آیت میں بھی ظالم کو دنیا میں عذاب دینے کی تصریح ہے

جواب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ظلم سے گرفت ضرور ہوتی ہے اس لیے مظلوم کی آہ کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے بلکہ اس کی دعا بہت جلد مستجاب ہوتی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب — مظلوم کی دعا سے بچو اس لیے کہ اس کی دعا اور اللہ تعالے کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

نکتہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ولدت فی زمن الملک العادل میں عادل بادشاہ کے دور میں پیدا ہوا ہوں اگرچہ عادل کا اطلاق کافر پر نا جائز ہے اس لیے کہ نوشیرواں مجوسی آتش پرست تھا اور شرک نہ صرف ظلم ہے بلکہ اسے ظلم عظیم کہا گیا ہے لیکن چونکہ وہ خلق خدا پر ظلم کے بجائے آسائش وآرام پہنچاتا اسی لیے آقائے کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمادی۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مہا زور مندی مکن بر کہاں
کہ بر یک نمط می نماند جہاں
پریشاں خاطر داد خواہ
بر اندازد از مملکت پادشاہ

نحک روز محشر تن دادگر
کر درسایۂ عرش دار مقر

ترجمہ اے سردار عزیزوں پر ظلم نہ کر اس لیے کہ جہان ایک طریقہ پر نہیں رہتا انصاف چاہنے والوں کی پریشانی کبھی بادشاہ کو تخت سے نیچے دے مارتی ہے قیامت کے دن وہ عدل کرنے والا بہت زیادہ خوش ہوگا کہ اسے سایۂ عرش الٰہی کے نیچے بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔

تفسیر عالمانہ

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام قبطیوں کے مرمٹنے کے بعد جب ملک مصر پر قابض ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کو وعظ سنانے کا فرمایا جس کا موضوع کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی اعلیٰ نعمتوں سے نوازا چنانچہ آپ نے اپنی قوم کو نہایت بہترین انداز میں وعظ فرمایا جس سے بنی اسرائیل خوب روئے اور ان کے دلوں پر آپ کی وعظ کا بہت اچھا اثر ہوا بنی اسرائیل کے علماء میں سے کسی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ نے عتاب مجبوبانہ فرماتے ہوئے حکم دیا کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا تھا آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ سے میرا ایک اور بندہ بڑا عالم جو دو دریاؤں کے مجمع میں رہتا ہے اس کا خضر نام ہے

ف خضر علیہ السلام افریدون عادل عاقل بادشاہ کے زمانہ میں تھے یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے اور ذوالقرنین اکبر کے ابتدائی دور میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ نبوت تک زندہ تھے اب بھی زندہ ہیں ان کی نبوت کا دور کشتاسف بن لہراسب کے زمانہ میں تھا۔ کذا فی تاریخ ابن اثیر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ میں خضر کو کہاں تلاش کروں اور وہ مجھے کس طرح مل سکتے ہیں اس کا کوئی آسان طریقہ بتائیے تاکہ میں اسے آسانی سے مل سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ چٹان کے نزدیک مجمع البحرین میں اس کی ملاقات کر سکتے ہیں لیکن آپ اپنا زاد راہ ساتھ لے جائیے یعنی مچھلی بھون کر ایک جھولے میں ڈال کر اپنے ساتھ رکھیں تاکہ بھوک ستائے تو بھیک نہ مانگنی پڑے لیکن جب یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگائے تو سمجھنا کہ یہیں پر میرا بندہ ہوگا آپ نے مچھلی بھون کر جھولے میں رکھ دی اور اپنے خادم سے فرمایا کہ جہاں یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگائے تو مجھے مطلع کرنا۔

ازالہ وہم یہود یہودی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس مقام جس میں موسیٰ کا ذکر ہے اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن میشا بن یوسف نبی علیہ السلام تھے یہ بھی نبی تھے اور موسیٰ بن عمران سے پہلے تھے ان کا وہم اس لیے ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرہ ہیں اور کلیم خدا بھی اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہ مرتبہ کہاں اسی لیے وہ مفضول تھے اور افضل مفضول سے استفادہ نہیں کرتا یہ ان کا صرف وہم ہے ورنہ کامل عالم افضل جو کہ بہت سے امور سے بے خبر ہوتا ہے اور یہ کوئی عیب بھی نہیں اور فاضل کبھی مفضول بھی ہوتا ہے اگرچہ من وجہ ہی سہی اس معنے پر یقیناً اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد ہیں اگر وہ دوسرے

موسٰی علیہ السلام ہوتے تو اسے بقید بہ قید اضافی بیان کیا جاتا اس لیے کہ مشہور و معروف شخصیت کے ہم نام کو جب کسی وقت لکھا یا کہنا پڑتا ہے تو اس کے ساتھ کسی دوسرے لفظ کا اضافہ ضروری ہوتا مثلاً سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہم نام ایک اور امام ابو حنیفہ گزرا ہے اب اس ثانی ابو حنیفہ کو جب لکھا جائے گا تو اس کے دینوری کا لفظ ضرور ہوگا مثلاً کہا جائے گا قال ابو حنیفہ الدینوری ورنہ مطلقاً ابو حنیفہ لکھا ہوگا تو وہاں امام صاحب کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو سکے گا ایسے یہاں سمجھئے کہ موسٰی علیہ السلام کو مطلق کہا گیا ہے اگر ان کے علاوہ دوسرے موسٰی علیہ السلام مراد ہوتے تو ان کے ساتھ موسٰی بن منشا بن یوسف علیہ السلام لکھا جاتا[۱]

لِفَتٰہُ اس سے یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف علیہ السلام مراد ہیں یہ یوشع بن نون حضرت موسٰی علیہ السلام کے بھانجے تھے اور آپ کے اکبر خلفاء میں سے تھے اور وہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے ہر وقت ساتھ رہتے یہاں تک کہ تا وصال آپ کے ساتھ رہے موسٰی علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی خلافت کا بوجھ ان کے کاندھوں پر رکھا گیا[۲] اور انھوں نے ہی شریعت موسوی کو چلایا بنی اسرائیل میں موسٰی علیہ السلام کے بعد انہی یوشع بن نون کو معظم ترین شخصیت سمجھا جاتا تھا۔

سوال جب یوشع بن نون اتنا بڑی شخصیت کے مالک تھے تو پھر انھیں فتٰی سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب یہی حضرت موسٰی علیہ السلام کی بہت بڑی خدمت سر انجام دیتے اور ان کی اتباع میں ضرب المثل اور ہر وقت ان سے استفادہ واستفاضہ میں لگے رہتے تھے

اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ شاگرد اور مرید و خادم کو فتٰی سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ سن رسیدہ ہو چنانچہ قول مشہور تعلم یا فتی فالجہل عار اے بچے علم حاصل کر اس لیے کہ جہالت ننگ و عار ہے۔ شاگرد[۳] اور خادم حکمی عبد ہیں۔

استاذ کا مقام

حضرت شعبہ نے فرمایا

جس سے میں نے صرف چار روایات واحادیث حاصل کیں میں اس کا تادم زیست غلام بے دام ہوں

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ فتٰی سے موسٰی علیہ السلام کا عبد حقیقی مراد ہے اور فتٰی سے اسے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ عوام سبق حاصل کریں کہ غلام کو عبد کہنا سوءِ ادب بایں معنٰی ہے کہ عبدیت کی نسبت اللہ تعالٰی کے شایاں شان ہے[۴]

---

[۱] توضیح از اویسی غفرلہ [۲] حاشیہ صفحہ یہی جواب سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے لے دیا جائے کہ اگر جزوی فضائل علی المرتضٰی میں پائے گئے تو کیا حرج ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

[۳] لیکن آج کے دور میں عبدیت ایک طرف تو شرک کی زد میں آگیا دوسری طرف طلباء اور شاگردوں کے دماغ فرعون بن گئے ورنہ یہ رشتہ بھی ایک عظیم اسرار کا مرکز تھا۔ [۴] ہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن اسے شرک کا فتوٰی جڑ نیا وہابیوں دیوبندیوں کا کام ہے تفصیل فقیر کے تحفۃ العفول فی تسمیۃ عبد الرسول میں ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کنیز اور غلام کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے تو کہا جائے فتای وفتاتی عبدی وامتی نہ کہا جائے

مسئلہ جو شخص کہے انا فتی فلان اس سے اس کے عبد ہونے کا اقرار ہو گا یہی امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے

فیصلہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے نزدیک پہلی وجہ زیادہ صحیح ہے[1] اس لیے کہ آپ اتنا بہت بڑے اہم سفر میں کسی غلام کو نہیں لے گئے ہوں گے بلکہ کسی عظمت اور بلند مرتبت شخصیت کو ساتھ رکھا ہو گا جیسے عموماً قاعدہ ہے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ ہجرت بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ نے بھی ایسے مہتم بالشان سفر کی رفاقت کے لیے حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا[2] اس لیے کہ آپ ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے معزز ترین شخصیت اور آپ کے وصال کے بعد خلیفہ ہوئے ۔ لَآ اَبْرَحُ ....

حل لغات برح افعال ناقصہ سے زال یزال کی طرح ہے یعنی لا ازال اسیر ہمیشہ چلتا رہوں گا قرینہ حال پر اعتماد کر کے خبر محذوف کر دی گئی ہے جب آپ سفر مذکور کی طرف متوجہ ہوئے اور لقد لقینا من سفرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے اس سے مفتی سعدی کے وہم کا ازالہ ہو گیا انھوں نے فرمایا نظم قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے سفر کی کوئی دلیل نہیں ملتی ممکن ہے انھوں نے کسی ضعیف خبر یا کسی تاریخی واقعہ سے غلطی کھائی ہو اور آیت مذکورہ ان کے ذہن سے اتر گئی ہو ورنہ نص قرآنی کو کس طرح ٹھکرایا جا سکتا ہے

حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ مجمع البحرین بحر فارس و روم کے ٹکرنے کی شرقی جانب والا مقام مراد ہے اور یہ وہی جگہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی ملاقات کا مقام بتایا

ف مفتی سعدی نے فرمایا کہ بحر فارس و روم محیط میں جمع ہوتے ہیں اس کی مزید تشریح سورت رحمٰن میں آئے گی ان شاء اللہ

ف اس سے محیط غربی مراد ہے اس لیے دریاؤں کا ٹکراؤ یہیں پر ہے اور جسے دریاؤں کے ٹکرنے کا طریقہ معلوم ہے اس سے ہماری مراد مخفی نہیں اور ان کے ملنے کی جگہ وہی ہے جو شرقی جانب کو متصل ہے اور قاعدہ ہے جو شے کسی کو قریب تر ہو تو اس پر اسی قرب کا حکم لگایا جاتا ہے اور اسی قرب سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے

فائدہ صوفیانہ البحرین سے خود موسیٰ و خضر علیہم السلام مراد ہیں ان کی کثرت علمی کی وجہ سے انھیں بحرین سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم ظاہر کے دریا تھے

---

[1] یارِ غار ہونا شیعوں نے بھی مانا ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ "چشمہ نور افزا شرح آئینہ شیعہ نما" ۱۲ ۔

[2] یہی رفاقت سفرِ ہجرت خلافت بلافصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کے لیے اہل سنت کی بہترین دلیل ہے ملاحظہ ہو آئینہ شیعہ مذہب ۱۲ ۔

اگرچہ آپ میں بھی علم بطون کی کمی نہیں تھی لیکن چونکہ آپ شریعت کے پاسبان تھے اسی لیے آپ میں علم ظاہر کا غلبہ تھا اور خضر علیہ السلام علم باطن کے دریا تھے یعنی آپ پر علم بطون کا غلبہ تھا اور انبیاء علیہم السلام چونکہ صفت جمال و جلال کے مظاہر ہیں اسی لیے ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اس کی مزید تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ

ف ان حضرات کے اجتماع کا مقام متعین نہیں تھا بلکہ اس سے ان کا مطلق اجتماع مراد ہے۔ اَوْ اَمْضِیَ۔ مضی فی الامر سے ہے یعنے نفذ وامضاہ بمعنی انفذہ۔ حُقُبًا (بضم الکاف وسکونہا) اسی سال کا عرصہ۔ اب معنے یہ ہوا کہ میں ایک لمبی مدت تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ یقین ہوگا کہ مطلب کا حصول ناممکن ہے خادم سے اپنے سفر کی انتہا دو باتوں پر موقوف فرمائی

۱۔ مجمع تک پہنچنا

۲۔ عرصہ دراز تک چلتے رہنا یہاں تک کہ یقین ہوگا کہ اب مطلب حاصل نہ ہوگا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میں عرصہ دراز تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس عالم دین کو پالوں

ف کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اگرچہ عرصہ دراز اسّی سال تک سفر کرنا پڑے تب بھی اس بندۂ خدا کو تلاش کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ ع

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید

ترجمہ اس کی تلاش سے باز نہیں آؤں گا جب تک مطلب پورا نہ ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر گراں و گر شتابندہ بود
آنکہ جوئندہ است یابندہ بود

در طلب زن دائما تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

ترجمہ اگر آہستہ چلے یا دوڑے بالآخر تلاش کرنے پر مقصد حاصل ہو جاتا ہے مقصد کی طلب میں جد وجہد کیجیے اس لئے کہ طلب ہی بندے کی بہتر رہبر ہے

فائدہ طالبعلمانہ امام صاحب نے تفسیر میں لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو سفر کی کوفت اور اس کے دکھ اور تکلیف کے لیے تسلی دلائی ہے تاکہ سفر کی تکالیف کو دیکھ کر نفس کو گھبراہٹ نہ ہو اور علم کی طلب میں ایسی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اس میں طالب علم کو سبق دیا گیا ہے کہ اگر اسے صرف ایک مسئلہ کے حصول کے لیے مشرق سے مغرب تک جانا پڑے تو بھی علم کی شان میں معمولی امر ہے

حکایت: روضۃ الخطیب میں ہے کہ ایک بزرگ نے مدینہ طیبہ سے ملک مصر تک صرف ایک حدیث شریف سننے کے

لیے سفر کیا

قاعدہ صوفیانہ بندہ ولایت میں کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کسی کامل کے ہاں جا کر گھٹنے نہ ٹیکے اور منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا جب تک ہجرت نہ کرے

لطیفہ جو شخص استاد کے بغیر اپنی کارروائی سے مقصد کو پہنچنا چاہے یا پیرومرشد کے بغیر اپنے دل کے پردے ہٹانا چاہے وہ اگرچہ کامیاب بھی ہو تب بھی اسے اس بچے کی طرح سمجھو جو راستہ میں پڑا ہوا ملے لیکن اس کا باپ کوئی نہ ہو کہ جس سے اس کا نسب بیان کیا جا سکے[1]

بے پیر شیطان کا چیلہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس کا شیخ (پیرومرشد) نہ ہو اس کا شیخ شیطان ابلیس ہے[2]

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

پیر رابگزیں کہ بے پیر ایں سفر

ہست بس پر آفت و خوف و خطر

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو

ہمچو موسیٰ زیر حکم خضرؑ رو

ترجمہ پیر کا دامن پکڑ کہ یہ سفر پیر کے بغیر بہت بڑا آفت اور خوف و خطرہ سے بھرپور ہے جب پیرومرشد کا دامن پکڑا ہے تو ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر کے سامنے سر تسلیم خم کیا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں سے چند فوائد حاصل ہوئے ۔

۱۔ مسافر پر لازم ہے کہ سفر سے پہلے رفیق سفر کی تلاش کرے

۲۔ سفر میں ایک کو امیر سفر مقرر کر لینا ضروری ہے تاکہ دوسرے اس کے ماتحت کام کریں اور اسی کے تبع رہیں البتہ مشورہ دیتے جائیں اور امیر پر لازم ہے کہ سفر میں ان کے مفید مشوروں کو ضائع نہ جانے دے۔

۳۔ رفیق سفر کو اپنے سفر کے مقاصد سے باخبر کرے اور اسے بتا دے کہ اس سفر میں اتنا عرصہ لگے گا تاکہ رفیق اس کے حالات سے آگاہ ہو کر اگر مناسب ہو گا تو وہ اس کے ساتھ چلے گا ورنہ معذرت کرے گا

۴۔ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کامل کو تلاش کرے اس کی بیعت کے بعد اس کی اقتدا میں سر کی بازی لگا دے یہاں

---

[1] افسوس ہے کہ استاد کی قدر و قیمت دور دنیا نے گھٹا دی ۱۲۔

[2] اسے ہمارے جاہل واعظ حدیث شریف سمجھ کر بیان کرتے ہیں اور اگر اس قول کو وہابی دیوبندی سمجھ جائیں تو میرے خیال میں ابلیسی شرارتوں سے محفوظ ہو جائیں گے

تک کہ منزل مقصود تک پہنچ کر مقاصد میں کامیاب ہو اس لیے شیخ کامل کی تلاش درحقیقت حق تعالیٰ کی تلاش ہے

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا بَلَغَا ۔ کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اس بندہ کامل کی تلاش میں میری موافقت کرو یوشع بن نون علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ کے نہ صرف موافق ہوں

بلکہ آپ کی رفاقت کو غنیمت سمجھتا ہوں ۔ ع

خوشست آوارگی آنرا کہ ہمراہی چنین باشد

جب ایسے رفیق کی رفاقت نصیب ہے تو اگر کوئی اسے آوارگی کہے تو مجھے ایسی آوارگی بھلی ۔

یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کشکول اور ان کا زاد راہ جس میں مچھلی بھنی ہوئی بھی تھی اٹھا کر موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے ہو لیے فلما بلغا کی فا فصیحیہ ہے یعنی موسیٰ و یوشع علیہم السلام چل پڑے تو جب دونوں پہنچے مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا ۔ بینھما ظرف اور مجمع کا مضاف الیہ ہے اس کی وسعت کی وجہ سے اسے مضاف الیہ بنانا جائز ہے اب معنے یہ ہوا کہ وہ دونوں ایسی جگہ پہنچے جہاں دو دریاؤں کا طول میں جمع ہونے کا مقام تھا

چشمۂ آب حیات کاشفی نے لکھا کہ دریاؤں کے مجمع میں ایک پتھر چشمۂ آب حیات کے کنارے پر پڑا تھا وہاں آرام کرنے کے لیے اترے موسیٰ علیہ السلام آرام فرما ہوئے یوشع علیہ السلام نے وہاں سے وضو کیا آب حیات سے پانی کا قطرہ اسی بھونی ہوئی مچھلی پر پڑا تو مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی یوشع علیہ السلام حیران ہو کر دیکھتے رہے جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع علیہ السلام سے حال پوچھے بغیر جلدی سے چلا دیے نَسِيَا حُوتَهُمَا بجلت سفر میں مچھلی کو بھول گئے اور ان کا یہ بھولنا مطلوب کے حصول کی علامت تھی ۔

سوال مچھلی کا واقعہ تو یوشع بن نون علیہ السلام بھولے تھے لیکن آیت میں اس کا اسناد موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام ہر دونوں کی طرف کر دیا ؟

جواب موسیٰ علیہ السلام کا بھولنا بھی اس میں شامل ہے وہ یوں کہ آپ چلتے وقت یوشع علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی و دیگر سامان اٹھانے کا نہ فرمایا اور یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی کا عجیب کرشمہ نہ بتا سکے اس معنے پر نسیان کی نسبت مجملاً ہر دونوں کی طرف کی گئی

جواب الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ زاد راہ ہر دونوں حضرات کا مشترک تھا اسی معنیٰ پر نسیان کا اطلاق ہر دونوں پر ہوا ۔ اگرچہ بظاہر نسیان حضرت یوشع کو ہوا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ عربی کہتے ہیں خرج القوم وحملوا الزاد سامان اگرچہ ان کے بعض افراد اٹھاتے ہیں لیکن اس کی نسبت سب کی طرف کی گئی ہے ہماری ان دونوں تقریروں سے وہ سوال اٹھ گیا کہ صحیحین کی روایت میں نسیان کا اسناد صرف یوشع کی طرف کیوں اور قرآن مجید میں ہر دونوں کی طرف اسناد کا کیا معنے ۔

سوال فا تعقیب کے لیے آتی ہے یہاں اس کا لانا بے محل ہے اس لیے کہ مچھلی دریا میں پہلے گئی اور ان کو نسیان

بعد کو ہوا تھا

جواب یہ فا فصیحہ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس معطوف علیہ پر فا فصیحہ داخل ہے اس کا معطوف بھی مجمل ہو بلکہ اس کا معطوف اور فعل ہے اس لیے کہ یہ عبارت یوں تھی حی الحوت فسقط فی البحر فاتخذ (سَبِیْلَهٗ) یعنی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں گری تو بنایا اس نے اپنا راستہ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا کا مفعول ثانی ہے اور فی البحر اسی سے حال ہے یعنی وہ راستہ سرنگ کی طرح بنایا سربؑ زمین کے اندر اس گھر کو کہتے ہیں جس کے نیچے سوراخ ہو یہ نفق کی نقیض ہے اس لیے کہ سرب میں کوئی قسم کا سوراخ نہیں ہوتا اور جس میں سوراخ ہوا سے نفق کہتے ہیں

الجوبہ جونہی مچھلی پانی میں داخل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اجرا کو روک لیا اور اس کے ٹھہرنے کی جگہ طاق کی طرح ہوئی یعنی مکان کے اوپر ایسی جگہ بنا جس کا اوپر کا حصہ مضبوط کر کے نیچے کی جگہ خالی رکھی جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مچھلی کی جگہ سے پانی روک دیا گیا اور پانی اس کے گرداگرد ایسے معلوم ہوتا تھا گویا وہ مچھلی ایک طاقچہ میں بیٹھی تھی اسی طرح حدیث شریف میں اس کی صورت بتائی گئی ہے

الجوبہ وہ مچھلی جہاں سے گزرتی تھی اس جگہ سے پانی خشک ہو جاتا تھا اور وہ اسی زمین میں جا ٹھہری جس کے اوپر پانی اور نیچے خشک جگہ تھی بعض مفسرین جیسے قاضی اور اس کے متبعین نے لکھا ہے کہ سربا ہر اس گھر کو کہا جاتا ہے جس میں آنے جانے کی جگہ ہو ان کی اس تفسیر کی کوئی دلیل نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں سارب بالنہار کا محاورہ ہمارا مؤید ہے یعنے سارب کا معنٰی ہے ذاهب على وجهه فی الارض۔ فَلَمَّا جَاوَزَا جب مجمع البحرین سے گزر گئے حالانکہ وہی خضر علیہ السلام کی ملاقات کی جگہ تھی مروی ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام سو کر اٹھے تو اسی دن اور آنے والی رات کو مسلسل چلتے رہے جب صبح ہوئی اور حوائج ضروریہ سے فراغت پائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہن میں حوت کا خیال ڈالا تاکہ واپس لوٹ کر اپنے مطلب کو حاصل کریں چنانچہ فرمایا: قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ صبح کا کھانا لائیے الغداء بالفتح ہر وہ کھانا جو دن کو بھوک کے وقت کھایا جائے اور العشاء ہر وہ کھانا جو رات کی بھوک ہٹانے کے لیے کھایا جائے لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا بخدا کہ ہم نے اس سفر میں جو کہ مجمع البحرین کے متجاوز ہو کر کہیں دور پہنچ کر واپس لوٹے نَصَبًا ۔ تھکان اور کوفت۔

سوال انبیاء علیہم السلام میں نورانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر انہیں تھکان اور بھوک کیوں؟

جواب چونکہ مقصد سے آگے متجاوز ہو چکے تھے اسی لیے انہیں واپس لوٹنا مطلوب تھا اسی لیے اب انہیں مچھلی بھنی یاد دلائی گئی جس سے وہ بشری تقاضوں کی طرف متوجہ ہوئے تو بھوک اور تھکان محسوس ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت بھوک محسوس ہوئی جب منزلِ مقصود سے متجاوز ہو چکے تھے کذا قال النووی۔

سوال یہاں بھوک محسوس فرما رہے ہیں حالانکہ صرف ایک دو دن میں سفر کیا اور کوہ طور کے سفر میں تیس دن رات گذار دے

لیکن بھوک اور تھکان کا خیال تک نہ آیا حالانکہ اس وقت بھی بشری تقاضے موجود تھے

جواب: یہ سفر طلب علم اور تادیب کے طور تھا جس میں مشقت کا احساس لازمی امر تھا اور کوہ طور کا سفر ذات حق کی جانب تھا اسی لیے وہاں مشقت کا معاملہ نہیں تھا بلکہ راحت و سرور تھا (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ) خلاصہ یہ کہ اس سفر میں بشریت کا غلبہ تھا کہ من وجہ بشری معاملات کے لیے جار ہے تھے اب وہاں نورنیت کا غلبہ تھا اس لیے کہ وہاں ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا تھا

ف یہ جملہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھوک کی علت سے اظہار فرمایا ہے کہ تھکان کیوں ہوئی اس لیے کہ بھوک میں کام نہیں ہو سکتا اگر سفر جاری ہو تو تھکان محسوس ہونے لگتی ہے کیونکہ بھوک سے ضعف اور کمزوری صادر ہوتی ہے اور طعام سے استراحت جسمانی بھی مطلوب تھی اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت تھکان اتارنے کے لیے تھوڑی دیر کہیں ٹھہرے تو اپنے خادم سے فرمایا کہ صبح کا کھانا لائیے تاکہ بھوک بھی دور کریں اور تھوڑا سا آرام بھی کر لیں جب یوشع علیہ السلام نے دسترخوان پیش کیا تو مچھلی کا واقعہ یاد آگیا تو عرض کی قَالَ موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے عرض کی اَرَءَیْتَ ابن الملک نے کہا کہ یہ اخبرنی کے معنے میں آتا ہے لیکن یہاں تعجب کے معنے میں مستعمل ہوا ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے اور وہی محذوف اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَۃِ کا عامل ہے اب معنے یہ ہوا کہ تعجب ہے کہ مجھے یہ واقعہ پیش آیا تھا جب ہم پتھر پر پہنچ کر اترے تھے فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ تو بھول گیا کہ میں آپ کو مچھلی کا معاملہ عرض کرتا اس وقت تو میں نے عجیب و غریب معاملہ دیکھا تھا اس کے بعد معذرت کے طور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ وہ بھول مجھے شیطان کی طرف طاری ہوئی اگر وہاں میں آپ کو عرض کر دیتا تو نہ آپ وہاں سے چلتے اور نہ سفر کی مشقت اور تکلیف اٹھاتے چنانچہ کہا وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اور مجھے شیطان نے ہی اپنے وسوسے سے مچھلی کی بات بتانے سے مشغول کر دیا اَنْ اَذْكُرَهٗ ۔ وما انسانی کی ضمیر متکلم سے بدل الاشتمال ہے یعنی شیطان کے بھولانے سے میں آپ کو مچھلی کا ذکر نہ بتا سکا وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ○ اور مچھلی نے تو دریا میں عجیب راستہ لیا تھا جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا کہ مچھلی نے جونہی دریا میں چھلانگ لگائی تو دریا کا پانی ہٹ گیا تو اس کے اوپر پانی طاقچہ کی صورت اختیار کر گیا جس میں مچھلی آرام سے بیٹھ گئی اور یہی ایک عجیب منظر تھا جسے یوشع علیہ السلام نے آنکھوں سے دیکھا لیکن جیسے وقت موسیٰ علیہ السلام کو نہ بتا سکے تبھی تو انھیں معذرت کرنی پڑی

ترکیب عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی اور فی البحر ظرف مفعول اول یا مفعول ثانی سے حال ہے مچھلی کا واقعہ سنانے میں یوشع علیہ السلام نے واقعہ کو دو طرفوں پر منقسم فرما دیا اور درمیان میں معذرت کے طور جملہ معترضہ لائے اور وہ وما انسانیہ الا الشیطٰن ہے تاکہ وہی جملہ معترضہ ان کے مچھلی کے یاد نہ دلانے کی علت بن جائے ورنہ دراصل قصہ یوں سنانا تھا کہ مچھلی زندہ ہو کر چھلانگ لگا کر دریا میں چلی گئی لیکن قصہ کے درمیان میں جملہ معترضہ پیش کر دیا تاکہ غلطی کے ساتھ سبب کا اظہار تو موسیٰ علیہ السلام

ن‍ے اس سے مسلک اہلسنت کو سمجھئے انبیاء علیہم السلام بشریت و نورنیت کا جامع ہوتے ہیں ۱۲ -

کوناراضگی پیدا نہ ہو اور یہی یہاں پر زیادہ موزوں تھا

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مچھلی کا زندہ ہونا عجیب امر تو ہے لیکن چونکہ یہی حالت عجیبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حصول مقصد کی ایک نشانی تھی اس سے انہیں خوشی ہونی تھی یا کہ ناراضگی پھر یوشع علیہ السلام کی معذرت کا کیا معنے۔

جواب چونکہ یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بڑے معجزات دیکھے ہوئے تھے اسی لیے اس مچھلی کو عجیب وغریب طریق سے زندہ ہونے کی خرق عادت ان کے معجزات کے بالمقابل لاشی نظر آئی اسی لیے انہیں اپنے لیے اظہار معذرت کرنا پڑا۔

جواب۲ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا اس کا جواب میرے نزدیک اور طریقہ سے دینا چاہیے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے علم کو عظیم تر سمجھا تھا تو اللہ تعالے نے آپ کے دل سے ایک واضح علم مٹا دیا تا کہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو کہ ہر علمی شان میں جب تک اللہ تعالے کی عطا کو دخل نہ ہو وہ علم نہیں جہل ہے۔

صوفیانہ جواب۳ بعض مشائخ نے فرمایا کہ دراصل معاملہ کچھ اور تھا وہ یہ کہ یوشع بن نون علیہ السلام نے جب آیات باہرہ مثلاً بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا تھا لا حالانکہ اس کا کچھ حصہ کھایا بھی جا چکا تھا پھر اس کے لیے پانی کا جاری نہ ہونا بلکہ طاقچہ کی صورت اختیار کرنا اور اس کا سرنگ لگا کر چلا جانا وغیرہ کا مشاہدہ فرمایا تو مستغرق فی جناب القدس ہو گئے

سوال تم اسے استغراق باللہ سے تعبیر کرتے ہو اور وہ خود شیطان کی طرف منسوب فرمار ہے ہم ان کی بات مانیں یا تمہاری

جواب انہوں نے تو کسر نفسی کے طور فرمایا ہے تا کہ نفس دھوکہ نہ کھائے اور اسے اپنے لیے موجب افتخار نہ سمجھے اور یہی طریقہ بزرگوں کا عام ہے

آیات میں چند لطیف اشارات ہیں

۱۔ طالب صادق جب ارادہ کرے کہ وہ اپنے شیخ کامل کی خدمت کرے تا کہ وہ اسے سلوک کے منازل طے کرائیں تو اسے لازم ہے کہ توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے اس لیے کہ اس کے پاس مردہ مچھلی یعنی قلب ہے جو شہوات نفسانیہ (جس میں حب دنیا اور اس کی زینت کی ملاوٹ ہے) کے حملوں سے مردہ ہو چکی ہے اور سے وہ ولایت مراد ہے جو مرید اور شیخ کامل کے مابین واقع ہے اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق شیخ کی صحبت سے اس وقت کامیابی کا مراقی پا سکتا ہے جب مجمع ولایت تک پہنچے گا یاد رہے کہ مجمع ولایت کے قرب میں آبحیات کا چشمہ موجود ہے جسے حیات حقیقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی سے ایک قطرہ مرید کے مردہ قلب پر پڑتا ہے تو وہ مرید کا قلب زندہ ہو کر ولایت کے دریا میں غوطہ زن ہو کر اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔

لے ایسے تواضع کے مقامات ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ظاہر فرمائے جسے وہابیوں، دیوبندیوں نے نقائص پر محمول کیا اور ہم نے استغراق پر۔ فرق خود سمجھ لیجیے۔ ۱۲

۲۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالےٰ بندے کے دل پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اپنے قلب کو بھی جلا دیتا ہے لیکن یہ اس وقت نصیب ہوتا ہے جب کسی شیخ کامل کی نظر عنایت سے سرشار ہو مثنوی شریف میں ہے۔

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد

در وجود زندہ پیوستہ شد

وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست

مردہ گشت و زندگی از وے برست

ترجمہ خوش وہ مردہ ہے جو اپنی ہستی کو مٹا کر کسی زندہ سے جا ملا اور بدقسمتی ہے اس زندہ کی جو کسی مردہ دل کے ہاں بیٹھا تو وہ خود مرگیا اور زندگی سے نجات پاگیا۔

۳۔ بہت سے مریدین کو اثنائے طے راہ سلوک میں توہمات گزرتے ہیں کہ خواہ مخواہ ایک اپنے جیسے انسان کے احسانات اٹھا رہا ہوں اور اس کی وجہ سے بہت سے مصائب و تکالیف برداشت کرتا ہوں کیوں نہ ہو کہ اسے چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی عبادت میں لگ جاؤں اور شب و روز اسی کی یاد میں مشغول رہوں اسی طرح سے منزل مقصود کو پہنچ جاؤں گا یہ خیال اس کا غلط اور سراسر غلط ہے اس راستہ کے لیے جب تک شیخ کامل کی نگاہ کرم نہ ہوگی منزل پر پہنچنا محال اور سخت محال ہے بلکہ الٹا زندگی ضائع ہوگی اور عبادت کی کلفت اور عبادت و ریاضت کی تکالیف و مشقت بے سود اور شیخ کی رہبری کے بغیر سیدھے راستے پر چلنے کا خطرہ اور راہ حق سے بہت دور ہونے کا یقین ہاں عنایات الٰہی کی دستگیری وہ علیحدہ بات ہے لیکن یہ کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتا ہے عام قاعدہ یہی ہے کہ راہ سلوک میں مرشد کامل کی رہبری ضروری ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ع

آں رہے کہ بارہا تو رفتۂ

بے قلاوز اندر ان آشفتۂ

پس رہے را کہ نرفتی تو ہیچ - ہیں مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ

ہین مپر الا کہ با پرہائے شیخ - تابینی عون و لشکرہائے شیخ

ترجمہ ایسے راستے کہ تو نے بارہا طے کیے رہبر کے بغیر پریشان نہ ہوگا ہاں وہ راستے جو تو نے کبھی دیکھے ہی نہیں ایسے راستوں میں رہبر کے بغیر اکیلا مت جا اور ایسے راستوں پر اپنے پروں نہ چل ہاں شیخ کے پروں سے اڑے گا تو کامیابی ہوگی۔

۴۔ شیخ کامل کی صحبت مرید کے لیے بمنزلہ صبح کے کھانے کے ہے اس لیے کہ شیخ کے ملفوظات سننا اور اس کے افعال و اعمال دیکھ کر پیروی کرنا اس کی روحانی غذا ہے اور صحبت سے محروم ہوگا تو حصول مقصد سے محروم رہے گا الٹا نفس میں تھکاوٹ محسوس کرے گا اور شیطان کا کام ہے کہ وہ رسوائی کی طرف رغبت دلائے اسی لیے سالک پر لازم ہے

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا
موسیٰ نے کہا یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ہمارے بندوں میں
مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ
سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا اس سے
لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾
موسیٰ نے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی کہا

(بقیہ صفحہ ۴۲۰)

کہ صحبت شیخ کی طرف رجوع کرے اور شیخ کی خدمت کرتے ہوئے توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے جیسے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام واپس لوٹے تو منزل مقصود کو پایا اللہ تعالٰی نے بھی فرمایا: "الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" یعنے سچے لوگوں کی صحبت حاصل کرو اور جھوٹے لوگوں سے دور بھاگو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر طرف غولے ہمی خواند ترا

کائے برادر راہ خواہی ہین بیا

راہنمایم ہم رہت باشم رفیق

من قلاوزم دریں راہ دقیق

نے قلاوزست نے راہ داند او

یوسفا کم رو سوئے آں گرگ خو

ترجمہ ہر طرف غول تمہیں بلائیں گے اے بھائی کہیں نہ جانا تجھے میری طرف آنا ضروری ہے میں تیرا رہبر ہوں اچھا ساتھی ہوں ایسے پیچیدہ راہ کا صرف میں ہی تیرا رہبر ہو سکتا ہے دوسرے لوگ نہ تیرے راہبر ہیں نہ دوست فلہٰذا اے میرے پیارے گرگ صفت لوگوں کو چھوڑ دے اور ہمارے پاس آ جا ہم اللہ تعالٰی سے عصمت توفیق کی التجا کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ قَالَ ذٰلِكَ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جس واقعہ مچھلی کو تو نے بیان کیا ہے وہی تو تھا مَا كُنَّا نَبْغِ نبغ دراصل نبغی تھا اس کی ضمیر جو اس کے اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے وہ محذوف ہے یہ عبارت دراصل نبغیہ تھی یعنے جس کی ہمیں تلاش تھی اور جس کی طلب میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تھے وہ وہی مقام تھا اس لیے کہ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے موقعہ کی علامت یہی بتائی گئی تھی فَارْتَدَّا جہاں تک پہنچے وہاں سے واپس لوٹے

اور وہ ایک نہر تھی وہ اسی دریا سے نکلتی تھی جس میں مچھلی چھوڑ آئے تھے عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا یعنی اسی راستے سے واپسی ہوئی جسے طے کر کے گئے تھے الآثار بمعنے الاعلام نشانات اثر کی جمع ہے مثلاً کہا جاتا ہے خرج فی اثرہ واثرہ یعنی وہ اس کے بعد یا اس کے پیچھے نکلا آثار بمعنے اقدام بھی آیا ہے فَوَجَدَا عَبْدًا اس کی تنوین تنکیر کی ہے مِّنْ عِبَادِنَآ یہ اضافت تشریفی ہے یعنی ہمارے نیک بندوں نے ایک عظیم الشان بندہ پالیا جو ایک کپڑے سے چھپے بیٹھے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے السلام علیکم کہہ کر اپنا تعارف کرایا اور فرمایا کہ میں آپ کے ہاں عرفانی علوم حاصل کرنے آیا ہوں اور ایک عرصہ رہ کر استفادہ کروں گا جمہور کا مذہب ہے کہ اس عبد من عبادنا سے حضرت خضر علیہ السلام مراد ہیں

ف خضر بفتح الخاء المعجمۃ وکسر الضاد یہ ان کا لقب ہے

وجہ تسمیہ خضر علیہ السلام

خضر علیہ السلام کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ صحیحین میں ہے کہ آپ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ خشک زمین سرسبز و شاداب ہو گئی ۔

ف الفروۃ خشک زمین کا اوپر کا حصہ بعض نے کہا فروہ وہ خشک گھاس جو گٹھڑی کی صورت میں پڑا ہوا اور بیضاء وہ زمین جو خالی پڑی ہو جس پر نہ انگوری ہو نہ گھاس اور درخت وغیرہ اور اسے بیضاء بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انڈے کی طرح صاف ستھری اور سفید ہوتی ہے اہتزاز النبات بمعنے انگوری کا متحرک یعنی تروتازہ اور شاداب ہونا ۔

خضر علیہ السلام کا اسم گرامی

خضر علیہ السلام کی کنیت ابوالعباس اور اسم گرامی بلیا ہے بباء موحدہ مفتوحہ پھر لام ساکنہ اس کے بعد یا ابن ملکان بفتح المیم واسکان اللام، ابن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام ۔

ف ابواللیث نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضر علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ کسی بادشاہ کے صاحبزادے تھے اس کا خیال ہوا کہ اسے اپنا جانشین بنائے لیکن خضر علیہ السلام نے ایسی جانشینی قبول نہ کی اور وہاں سے بھاگ کر کسی جزیرے میں ایسے چھپے کہ بادشاہ تلاش کرتا رہ گیا ۔

خضر علیہ السلام کا تعارف

کتاب التعریف والاعلام للامام السہیلی میں ہے کہ خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ اور والدہ فارس کی تھیں اور ان کا نام "الہا" تھا خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جن کر کہیں چلی گئیں تو وہاں آپ کو ایک بکری دودھ پلاتی رہی کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو ایک مرد لے گیا اور اسی نے آپ کو پالا جب آپ نوجوان ہو گئے تو بادشاہ یعنی آپ کے والد نے اعلان کیا کہ کاتبین جمع ہوں تاکہ ان سے ابراہیم و شیث علیہما السلام کے صحیفے لکھوائے جائیں جب کاتبین جمع ہوئے تو ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے آپ کے والد بادشاہ کو پہچان نہ تھی جب آپ نے کتابت کی تو آپ کے حسن خط اور بہتر عادت اور اچھی خصلت کو دیکھ کر بادشاہ متاثر ہوا اور پوچھا آپ کون ہیں آپ نے اپنا تعارف کرایا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ تو اس کے صاحبزادے ہیں انھیں اپنے ساتھ لے گیا اور بادشاہی کے جملہ امور اس کے سپرد کر دیے لیکن خضر علیہ السلام کو یہ بات

پسند نہ آئی اسی لیے بادشاہ سے آنکھ چرا بھاگ نکلے اور دنیا کو طلاق دے کر سیر و سیاحت کو چلے یہاں تک کہ چشمہ آبحیات پر پہنچے تو وہاں سے پانی پی لیا۔

خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خضر آدم علیہ السلام کے بلا واسطہ بیٹے ہیں انہیں اللہ تعالٰی نے طویل عمر بخشی ہے یہاں تک کہ آپ دجّال کی سرکوبی کریں گے اس میں اشارہ ہے کہ ہر زمانے میں دجّال ہوتا ہے اور ہر دجّال کی سرکوبی کرنے والا پیدا ہوتا رہتا ہے

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کجا است صوفیٔ دجّال فعل ملحد شکل
بگو بسوز کہ مہدیٔ دین پناہ رسید

ترجمہ دجّال فعل اور ملحد شکل والا صوفی کہاں ہے اسے کہہ دو کہ جل مر تیری سرکوبی کے لیے مہدی دین پناہ تشریف لا چکا ہے

آدم علیہ السلام کی دُعا اور خضر علیہ السلام کی درازیٔ عمر

ابن عباس کرنے روایت کی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال قریب ہوا تو آپ نے اپنے صاحب زادوں کو وصیت فرمائی کہ ان کا جسم اطہر غار میں ساتھ لے جانا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب نوح علیہ السلام کے طوفان کا غلبہ ہوا تو آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو اپنی کشتی میں ساتھ لے گئے جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ جو انہیں دفنائے گا تو وہ قیامت تک زندہ رہے گا یہ سن کر آپ کی اولاد آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو دفنانے کے لیے غار میں لے گئے ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے اور یہ سعادت صرف انہیں نصیب ہوئی اس پر اللہ تعالٰی نے وعدہ پورا فرمایا کہ خضر علیہ السلام کو تا قیامت زندہ رکھا اور جب تک اللہ تعالٰی چاہے گا زندہ رہیں گے بعض کے نزدیک خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں لیکن بعض نے یہ بھی کہا کہ خضر علیہ السلام فرشتے ہیں لیکن یہ قول سراسر غلط ہے

اعجوبہ

عجیب و غریب قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام فرعون کا بیٹا ہے یعنی وہ فرعون جو موسٰی علیہ السلام کے ہم زمان تھے (کذا فی تواریخ مصر) بعض روایت میں ہے کہ ذوالقرنین کے خالہ زاد ہیں اور وہ ان کے ہمسفر تھے اور آبحیات کا پانی پی لیا تھا اسی لیے اللہ تعالٰی نے ایک مدّت معلوم انہیں زندہ رکھا ہے اور ان کا طویل العمر ہونا عقلاً بھی محال نہیں اس لیے کہ بہت سے آدم زادے تین ہزار سال سے زائد عمر پا کر فوت ہوئے۔

خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں

بعض علما کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ان کا نسب نامہ یوں ہے خضر بن عامیل بن شمالخین بن ارما بن علقما بن عیصو بن اسحاق النبی علیہ السلام اور عامیل خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ تھے۔

خضر نبی تھے یا ولی ؟

خضر علیہ السلام کے متعلق جمہور کی رائے ہے کہ وہ نبی تھے لیکن کسی قوم کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے اور صوفیا محققین کی رائے ہے کہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی تھے۔

خضر کے زندہ موجود ہونے پر دلائل

اگرچہ آپ کے زندہ موجود ہونے میں اختلاف ہے لیکن اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں اور اسی دنیا میں زمین پر رہتے ہیں اور صوفیہ کرام کا تو اس میں اتفاق ہے کسی سے بھی اختلاف منقول نہیں بلکہ ان کی ملاقات کی حکایات بے شمار ہیں اور بے شمار بزرگوں نے ان کو دیکھنے اور ان سے گفتگو کرنے کا دعویٰ فرمایا ہے ایسی حکایات حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اور حضرت ابوطالب مکی نے اپنی تصانیف میں اور حضرت حکیم ترمذی نے اپنی نوادر میں و دیگر مشائخ نے اپنی تصانیف میں نقل فرمائی ہیں اور ناقلین اور خضر علیہ السلام کی ملاقات کرنے والے اور ان کو دیکھنے والے محققین سادات مشائخ عظام قدست اسرارہم ہیں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن نہیں بلکہ محال ہے اور ان سے ایسی غلط نقل کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ان کے وجود و ثبوت کے دلائل تو ملتے ہیں لیکن ان کے مرنے کی ایک دلیل بھی کسی کے پاس موجود نہیں نہ قرآن میں نہ حدیث میں اور نہ اجماع امت میں اور نہ ہی کوئی ایسی نقل ملتی ہے کہ خضر علیہ السلام فلاں وقت فوت ہوئے اور فلاں جگہ مدفون ہیں اور نہ ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ فلاں بادشاہ کی بادشاہی کے وقت فوت ہوئے تھے۔

چار انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں

تفسیر بغوی میں ہے کہ چار انبیاء علیہم السلام تا قیامت زندہ رہیں گے دو زمین پر دو آسمان پر وہ جو زمین پر ہیں الیاس علیہ السلام جنگلوں میں اور خضر علیہ السلام دریاؤں ہیں وہ ہر رات ذوالقرنین کی سد سکندری (دیوار) میں جمع ہوتے اور ان کی نگرانی کرتے ہیں اور ان کی خوراک کرفہ۔ کماہ اور جو دو آسمانوں پر ہیں وہ ادریس و عیسیٰ علیہم السلام ہیں

خضر علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کے لئے حاضر ہوئے

امام الحدیث فی وقتہ حضرت ابوعمر کتاب التمہید میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے اور کفنانے کے بعد کسی سے سنا گیا وہ کہہ رہا تھا کہ السلام علیکم اے اہل بیت بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ لیتا ہے اس کے بدلے نیک نصیب بخشتا ہے اور جو شے ضائع کرتا ہے اس کا عوض عنایت فرماتا ہے ہر مصیبت پر صبر ضروری ہے فلہذا تم بھی صبر کرو اور اس صبر میں صرف رضائے الٰہی سامنے رکھو پھر ان سب کے لیے دعائے خیر فرمائی اہل بیت آواز تو سن رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا تھا اس سے صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم نے دعویٰ کیا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے

حضرت خضر نے حضرت علی کو دعا سکھائی

کتاب المواقف میں ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملے اور انہیں مندرجہ ذیل دعا سکھائی اور فرمایا کہ اس کے پڑھنے کا ثواب اور مغفرت و رحمت ہے اس شخص کے لیے جو اسے ہر نماز کے بعد پڑھتا ہے وہ دعا یہ ہے:

یامن لا یشغلہ سمع عن سمع ویامن لا تغلطہ المسائل ویامن لا یتبرم من الحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوۃ المغفرتک

ترجمہ اے وہ ذات کثرت آوازیں اس کے سننے کو حائل نہیں اور نہ اسے کثرت سوال غلطی میں ڈالتے ہیں اور وہ ذات زاری کرنے والوں کی زاری اسے نہیں اکتاتی مجھے معافی و مغفرت عطا فرما۔

ف بروی نے فرمایا کہ خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہا حاضر ہوئے۔

سوال حدیث شریف میں ہے لو کان حیا لزارنی ف اگر خضر زندہ ہوتے تو میرے پاس ضرور حاضر ہوتے اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں؟

جواب یہ حدیث شریف ان کے زندہ ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ حضور سرور عالم کا یہ ارشاد گرامی ان کی آپ سے ملاقات سے پہلے کا ہے[1]

خضر علیہ السلام ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے راوی ہیں

فصل الخطاب میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہا حاضر ہو کر شرف صحبت سے مشرف ہوئے اور آپ نے متعدد احادیث بھی روایت کی ہیں منجملہ ان کے ایک انگوٹھے چومنے کی روایت بھی ہے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" دیکھئے،

غزوۂ تبوک میں حضرت الیاس کی حاضری

الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں حضور نبی علیہ السلام کی خدمت میں حضرت الیاس علیہ السلام حاضر ہوئے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پہ ساتھ تھے حجر کے نزدیک فج الناقہ کے مقام پر ایک غیبی آواز سنی کہنے والا کہہ رہا تھا

اللھم اجعلنی من امة محمد المرحومة المغفورلھا المستجاب لھا۔

اے اللہ مجھے محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم سے بنادے وہ امت ہے کہ جس کے گناہ معاف اور ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آواز کو دیکھئے کون بول رہا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آواز کی طرف بڑھا پہاڑ کے اندر ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا جس کے کپڑے سفید ہیں اور سر اور داڑھی مبارک کے بال بھی سفید تھے ان کا قد مبارک تقریباً تین سو گز تھا جب مجھے دیکھا تو فرمایا آپ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں میں نے کہا ہاں جی انہوں نے فرمایا آپ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جاکر میرا سلام عرض کیجیے اور کہنا آپ کا بھائی الیاس پیغمبر علیہ السلام آپ کے دیدار کا مشتاق ہے حضرت انس نے فرمایا میں نے واپس جاکر بارگاہ رسالت میں الیاس علیہ السلام کا سلام و پیغام پہنچایا تو حضور علیہ السلام الیاس علیہ السلام کے ہاں تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا جب آپ الیاس علیہ السلام کے قریب پہنچے تو آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور میں پیچھے ہٹ گیا دونوں حضرات کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے اسی اثنا میں کوئی دسترخوان آسمان سے اترا اس میں کھانے کی چند اشیاء تھیں آپ نے مجھے کھانے کے لیے بلا لیا اس میں کماۃ، انار، مچھلی، کھجوریں، کرفہ تھا میں نے کھاکر اجازت مانگی اور پیچھے ہٹ گیا اس کے بعد آسمان سے بادل کی شکل میں کوئی شے اتری اور دسترخوان کو اٹھا کرلے گئی۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہ طعام کیسا تھا جو آسمان سے اترا آپ نے فرمایا

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ارشادات سابقہ سے بعد کے اثباتی ارشادات کے منافی نہیں ہوتے یہی قاعدہ اعلحضرت قدس سرہٗ نے علم غیب و اختیار کلی کے اعتراضات میں بتایا ہے جسے وہابیہ نے نہ مانا۔ ۱۲

میں نے اس کے متعلق الیاس علیہ السلام سے پوچھا تھا انھوں نے فرمایا کہ جبریئل علیہ السلام ہر چالیسویں روز اسی طرح کا طعام اور سال کے بعد آب زمزم لاتے ہیں اور بہت بار ایسے ہی ہوتا ہے کہ وہ بڑے مٹکے میں لاتے ہیں اور کبھی چھوٹے سے بوکے میں بھی مجھے پلا کر چلے جاتے ہیں

ف بعض محدثین قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے ہیں ، وفات خضر علیہ السلام کے دلائل ،
امام بخاری سے سوال ہوا کہ حضرت الیاس اور خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا کیوں کہ انھوں نے فرمایا کہ ان دونوں کی وفات قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے

۱ - اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ ؛ وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد ہم نے کسی بشر کو ہمیشگی نہیں بخشی ۔

۲ - حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد سو سال تک کوئی بھی زمین پر رہنے والا زندہ نہیں رہے گا اس میں خضر والیاس علیہم السلام بھی ضمناً شامل ہو گئے

جواب ۱ - حدیث شریف میں کلی حکم نہیں بلکہ اکثری ہے اس لیے کہ نوادر ایسے کلمات سے مستثنٰی ہوتے ہیں چنانچہ حضرت سلمان فارسی معدیکرب ابو طفیل سو سال کے بعد تک زندہ رہے حالانکہ جس وقت حضور سرور عالم نے یہ اشارہ گرامی فرمایا مذکورہ بالا حضرات اس وقت موجود تھے اگر حدیث شریف سے ان حضرات کو مستثنٰی کیا جا سکتا ہے تو حضرت خضر والیاس علیہم السلام کو بھی مستثنٰی کیا جا سکتا ہے ۔

۲ - آیت کا جواب بھی ظاہر ہے کہ آیت میں خلود سے تا ابد دائمی زندگی مراد ہے اور وہ حضرت الیاس و خضر علیہم السلام کے لیے ثابت ہے جب کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ نفخ صور سے پہلے ضرور فوت ہوں گے ۔

سوال حضرت خضر کو نبی مانا گیا ہے اگر انہیں زندہ بھی مانا جائے تو ختم نبوت کے مسئلہ پر حرف آتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت ختم ہے ۔

جواب یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے نبی کا آنا محال ہے اور وہ تو آپ کے ظہور سے پہلے کے نبی ہیں جیسے عیسٰی علیہ السلام نبی ہیں لیکن زندہ بھی ہیں اور ان کی نبوت ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے متصادم نہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحیثیت نبی کے حضور علیہ السلام کی امت میں زندہ موجود نہیں بلکہ بحیثیت امتی ہونے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرب قیامت میں جب قرآن مجید زمین سے اٹھا لیا جائے گا تو ان حضرات کو پہلے موت دی جائے گی

عجائبات ۱ - حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام آخری زمانہ میں اصحاب کہف کے ساتھ ظاہر ہوں گے ۔ اور امام مہدی کے ساتھ تعاون کریں گے بلکہ ان کے لشکریوں میں سے یہی حضرات بہترین عسکری متصور ہوں گے ۔

۲۔ مسلم شریف میں دجال کی احادیث کے آخر میں لکھا گیا ہے کہ دجال ایک عالم دین کو شہید کر کے زندہ کرے گا ابراہیم بن سفیان امام مسلم کے شاگرد بتاتے ہیں کہ یہ عالم دین یہی حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام موسم حج میں ہر سال ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ہر دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں اور یہ کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔ ماشاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ماشاء اللہ ما کان من نعمۃ فمن اللہ ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ف جو ان کلمات کو تین تین بار صبح و شام پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ آگ کے جلانے اور پانی کے غرق ہونے اور مال کے چوری ہونے اور شیطان کے وسوسہ سے محفوظ فرمائے گا بلکہ سانپ اور بچھو کی ایذا رسانی سے بھی بچا رہے گا۔

۴۔ امام احمد کتاب الزہد میں لکھا ہے کہ وہ دونوں حضرات رمضان شریف کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر کا مسکن بیت المقدس میں باب الرحمٰن و ابواب الاسباط کے درمیان رہتا ہے۔

صوفیانہ فائدہ

حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خضر سے بسط اور الیاس سے قبض مراد ہے لوگوں کا خیال غلط ہے کہ خضر علیہ السلام کسی شخص کا نام ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے یا ان کی کوئی صورت مثالی تھی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی رہبری کی یہ خیال غیر متحقق ہے بلکہ یہ ایک خیالی مثالی معنیٰ تھا جو حضرت خضر کے نام سے ظاہر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کی رہبری کر کے پھر مٹ گیا اور یہ عموماً ایسے ہوتا رہتا ہے پھر وہ مٹے یا اسی شخص معین کی روح متمثل ہوتی ہے یا روح القدس[1]

مسئلہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ روح اپنی صفت غالبہ کے مطابق متمثل ہوتا ہے اور اس طرح اولیاء اللہ کے لیے ان گنت بزرگوں سے ہوا[2] لیکن یہ ضروری ہے کہ بیداری میں ہر صورت متمثل نہیں ہوتی ہے بلکہ اکثر اصلی اور حقیقی صورت بھی ہوتی ہے البتہ خواب میں کبھی خیالی صورت سامنے آتی ہے اور کبھی حقیقی اور اصلی اور اللہ تعالیٰ کے ہر معاملہ میں حکمت ہوتی ہے وہ قادر ہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے

اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور ہم نے انہیں اپنی طرف سے رحمت عنایت فرمائی۔ اس رحمت سے نبوت و وحی مراد ہے جیسا کہ لوگوں کی سمجھ سے معلوم ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا تو اس خصوصیت سے بھی صرف نبوت اور وحی مراد ہے امام مسلم نے فرمایا کہ رحمت بمعنے نبوت قرآن مجید میں مستعمل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اھم یقسمون رحمۃ ربک لیکن ضروری نہیں کہ ہر جگہ رحمت بمعنے نبوت ہو اور یہاں خضر علیہ السلام کے معاملہ میں طول العمر مراد ہے یہ اس مذہب پر مخصوص ہے حضرت خضر

---

[1] یہ قاشانی صاحب کا اپنا خیال ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔ ۱۲

[2] اس پر فقیر اویسی نے ایک کتاب لکھی ہے۔ "الانجلاء فی تطور الاولیاء" ۱۲۔

علیہ السلام کو نبی نہیں مانا بلکہ صرف ان کی ولایت کے قائل ہیں وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ اور ہم نے انھیں علم لدنی عنایت فرمایا صاحب روح البیان نے یہاں پر علماً[1] سے علم غیب مراد لیا ہے ان کی اصل عبارت یہ ہے۔

علماً۔ خاص ھو علم الغیوب والاخبار عنها باذنه تعالی علی ماذھب الیه ابن عباس رضی الله تعالی عنهما او علم الباطن۔

علم خاص یعنی علوم غیب اور غیوب کی خبریں دینا باذنہ تعالیٰ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے یا اس سے علم باطن مراد ہے۔

روح البیان ص۲۸۲ ج۵ تحت آیت ہذا۔

علم لدنی کا ثبوت اور اس کے دلائل

علم لدنی کے دیوبندی وہابی قائل ہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ علم لدنی کوئی شے نہیں اور یہ اصطلاح بدعت ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں صاحب روح البیان ان کے رد میں صدیوں پہلے لکھ گئے کہ

قال فی بحر العلوم انما قال من لدنا مع ان العلوم کلها من لدنا ان بعضها بواسطه تعلیم الخلق فلا یسمی ذالک علما لدنیا بل العلم اللدنی ھو الذی ینزله فی القلب من غیر واسطة احد ولا سبب مالوف من خارج کما کان لعمر وعلی ولکثیر من اولیاء الله تعالیٰ الصالحین الذین فاقوا بالشوق والزھد علی کل من سواھم

بحر العلوم میں لکھا ہے کہ من لدنا کیوں کہا باوجودیکہ تمام علوم اسی سے ہیں لیکن بعض علوم مخلوق کے واسطہ سے ہوتے ہیں۔ اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا بلکہ علم لدنی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی بندے کے قلب پر نازل فرمائے اور اس میں واسطہ نہ ہو اور نہ ہی کسی شخص کا وسیلہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے خارجی سبب کی محتاجی ہو جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسے ہی بہت سے برگزیدہ اولیاء کرام کو نصیب ہوا۔

سواہم۔ روح البیان ص۲۸۲ ج۵ تحت آیت ہذا۔

ایسے لوگوں کے لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

نفس من انفاس المشتاقین خیر من عبادة الثقلین۔

مشتاق انسان کی صرف ایک گھڑی ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔

اور فرمایا:

رکعتان من رجل زاھد قلبه خیر واحب الی الله

زاہد کا دوگانہ بہتر اور اللہ کے ہاں محبوب ترین ہے دوسر

---

[1] اس سے دیوبندیوں وہابیوں کا رد اور اہلسنت بریلویوں کی تائید ہوئی دیوبندی وہابی کہتے ہیں علم غیب اولاً تو انبیاء علیہم السلام کو ملتا نہیں اگر کچھ دیا گیا ہے تو اس پر علم غیب کا اطلاق شرک ہے اور اہلسنت بریلوی ہر دو نوں باذنہ تعالیٰ، کے قائل ہیں الحمدللہ کئی صدیاں پہلے بھی اکابر علماء کا یہی عقیدہ تھا۔ ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہ

من عبادۃ المتعبدین الی اٰخر الدھر ۔ عبادت گزاروں کی تمام زندگی کی عبادت سے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ، وقلیل من عبادی الشکور اور فرمایا : ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔

صحابہ کرام کی شان

اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی شان بہت بلند تھی اور وہ معرفت الٰہی میں اونچا مرتبہ رکھتے تھے اس لیے کہ وہ تمام اولیا مشتاقین وعشاق کے امام تھے بلکہ وہ ہدایت کے ستارے اور سرچشمہ تھے (لکن الشیعۃ قوم لا یعقلون)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میرا وہ عبد جو عبودیت میں غیروں سے بالکل آزاد ہے اور ان آزاد بندوں سے ہے جنھیں ہم نے غیروں سے آزاد فرمایا اور پسندیدہ بندوں سے انھیں بنایا ، اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا اور وہ بندے جنھیں ہم نے انوار صفات کے فیوض کی استعداد قبول کرنے کی صلاحیت رکھی اور اس میں انھیں کوئی واسطہ کی بھی ضرورت نہیں ، وعلمناہ من لدنا علماً اور انھیں ذات وصفات کی معرفت کے وہ علوم عنایت فرمائے جنھیں ہماری تعلیم سے صرف انہیں وہ علوم نصیب ہوئے

علم لدنی کی پہچان

ہر وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرمائے لیکن وہ ایسا علم ہو کہ جو غیروں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہو اسے علم لدنی نہیں کہا جاتا جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ، وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم زرہ بنانے کا علم اگرچہ اللہ تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام کو عنایت فرمایا بلکہ یہ ایسا علم ہے جسے بندوں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے فلہٰذا اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ اسے بندوں سے سیکھا جا سکتا ہے ہاں علم معرفت ذات وصفات ایک ایسا علم ہے کہ اسے سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اسی لیے علم لدنی صرف ایسے علوم کو کہا جائے گا ۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علم لدنی وہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد پختہ یقین ہو اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو ۔ اس میں کسی کو خلاف نہیں البتہ یہ مکنونات الغیب کے مکاشفات الانوار ہیں اور بس اور یہ ہر اس بندے کو نصیب ہوتے ہیں جو اپنے تمام اعضا کو مخلوق کے تعلقات سے فارغ کر دے بلکہ اپنے جمیع ارادات اور حرکات وسکنات کو فنا کر دے اور اپنے آپ کو ہر تمنا اور آرزو سے فارغ کرکے بارگاہ حق کے سپرد کر دے

ف حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ الملکوت والمعارف کا ایک ایسا دروازہ ہے کہ یہ کسی پر نہیں کھلتا ، الا ما شاء اللہ) اور قلب میں اس دروازے کے کھلنے کی خواہش رہتی ہے اور مشاہدۂ حق بھی علم سے نہیں وہ کسی اور خصوصیت سے نصیب ہوتا ہے جب قلب پر ایسے واردات ہوتے ہیں تو ملک وملکوت میں سما جاتے ہیں ۔

ف سلطان العارفین سے فتوحات میں لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ تم علوم مردگان سے حاصل کرتے ہو اور ہم حی لا یموت سے لیتے ہیں ۔

گلشنے کز نقل روید یکدم است

گلشنے کز عشق روید خرم است

گلشنے کز گل دمد گردد تباہ

گلشنے کز دل دمد وافرحاہ

علم چوں بر دل زند یارے شود

علم چوں بر گل زند بارے شود

ترجمہ وہ باغ جو علم سے پیدا ہو وہ صرف ایک پل رہے گا اور وہ گلشن جو عشق سے پیدا ہوگا وہی ذخیرہ ہے وہ گلشن جو مٹی سے تیار ہو وہ جلد مٹ جائے گا اور وہ باغ جو دل سے پیدا ہوگا واہ، واہ وہ علم جسے دل پر مارا جائے وہ حامی و مددگار ہوگا وہ علم جو صرف جسم پر مارا جائے وہ ضرر رسان ہوگا۔

ف وہ علوم جو مکاشفات کے ذریعے حاصل ہوں اسے صوفیا کرام علم لدنی سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل یوں ہے کہ امر یا حقیقت کا ادراک کا تصور مع الحکم ہو تو اس کا نام تصدیق ہے اگر بلا حکم ہو تو اسے تصور کہا جائے گا یہ ہر دونوں بلا کسب و طلب حاصل ہو تو اسے علم ضروری سے تعبیر کرتے ہیں اگر کسب و طلب سے حاصل ہو تو اسے کسبی کہا جائے گا اور علم ضروری اگر نفس و عقل میں کسب و طلب کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے درد و لذت اور وجود و عدم یا ہم کہتے ہیں اثبات نفی کا نہ اجتماع ہو سکتا ہے نہ ارتفاع اور واحد دو کا نصف ہے اور کسبی علوم وہ ہیں جو ہر نفس میں ابتداءً موجود نہیں تھے بلکہ ان کے حصول کے لیے کوئی ذریعہ اور سبب بنایا جاتا ہے اگر بدیہیات کے ذریعے سے مجہولات کو معلوم کرنا ہو تو اسے نظر و فکر سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ کر کے مشغول باللہ بنایا جائے تو اسے کشف کہا جاتا ہے اور علوم کشفیہ کا اعلیٰ اور بہتر علم وہ ہے جو اسرار ذاتی و انوار صفات و آثار افعال الٰہی سے متعلق ہو اسے صوفیہ کرام علم الٰہی شرعی کہتے ہیں اور علم حقائق سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی بندے اور مولیٰ کے تعلق و ارتباط سے یہ علم حاصل ہوتا ہے لیکن بندے کی طاقت بشریہ کے مطابق یہی وجہ ہے کاملین در طہ حیرت میں مستغرق ہو کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کما حقہا کسی کو نصیب نہیں ہوئی باقی علوم کو اس علم سے وہی نسبت ہے جو ذرات کو سورج سے یا قطرات کو سمندر سے۔ خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے علوم کشف و عیان پر مبنی ہیں اور دوسرے لوگوں کے علوم اذہان و خواطر فکریہ سے ہوتے ہیں اولیاء کرام کے علوم کا آغاز تقویٰ اور عمل صالح سے ہوتا ہے اور دوسروں کے علوم کا آغاز دنیوی جاہ و جلال اور مراتب مناصب کے جنھیں ذرہ برابر بھی بقا نہیں۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

جان زاہد ساحل وہم و خیال

جان عارف غرقۂ بحر شہود

ترجمہ زاہد کی روح وہم و خیال کے ساحل پر ہے اور عارف کی روح بحر شہود میں مستغرق ہوتی ہے۔

ف صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا آیت میں رحمت سے علم العبادۃ اور تعلیم وتدریس اور ظاہری علوم اور شریعت مراد ہے اور انھیں رحمت سے تعبیر کرنا محض ان کے عموم کی وجہ سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وسعت رحمتی کل شیٍٔ اور چونکہ اس علم کا مقام قرب متحقق ہے اسی لیے اس کے لیے وہ کلمہ ارشاد فرمایا جو اس کے لائق ہے چنانچہ فرمایا من عندنا یعنی ہمارے صفات مقام واحدیت اور اس کے مرتبۂ قرب سے ہے اور علم سے علم الوراثۃ والاشاۃ اور باطن وحقیقۃ مراد ہے اسی لیے اسے علم سے تعبیر کیا اس لیے کہ قاعدہ ہے جب شے کو مطلق بلا قید استعمال کیا جائے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہے اور فرد کامل علم باطن کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ علم ظاہری بمنزلہ جسم اور علم باطن بمنزلہٗ روح کے ہے یا یوں کہو کہ ظاہری علوم بمنزلہ چھلکے کے اور علوم باطنی بمنزلہ مغز کے ہیں یا یوں کہو کہ علم ظاہری شے کی صورت اور علوم باطن بمنزلہ معنے کے ہیں بہرحال علم باطن فرد کامل اور علم ظاہر فرد ناقص ہے یاد رہے کہ علم ظاہری کو ناقص نقصان عرفی کے لحاظ سے نہیں کہا جا رہا بلکہ اس کی اس نسبت سے جو اسے علم باطن سے ہے گویا یہ اضافی نقصان ہے اور یہ شے کے لیے عیب نہیں ہوتا اس لیے کہ اعلیٰ وادنیٰ کے مابین مقام کے امتیاز کے طور صورۃً ایسا نقص نہ ہو تو پھر اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز کیسے ہو سکتا ہے اسی لیے علم ظاہری کا یہ نقص ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے اس لیے کہ اس کے یہی کمال کو سامنے رکھ کر اسے علم ظاہری کے مقام سے ممتاز کیا جا سکتا ہے اگر اس طرح نقص وکمال کا فرق نہ کیا جائے تو امتیاز کیسے کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرق بوجہ تعین کے ہے نہ صاحب کمال کا کمال ذاتی حقیقی ہے نہ ناقص کا نقص ذاتی وحقیقی ہے بلکہ بحیثیت اضافت ونسبت کے ہے اور ایسی حیثیات اشیاء کے مقامات وتعلقات کے لیے عموماً ہوتے ہیں اس اعتبار سے علم ظاہر کا نقصان عیب نہیں بلکہ یہ نقص بھی اس کا کمال ہے اسے یوں سمجھے کہ جیسے جہل وغفلت میں نقصان حقیقی ہے ایسے ہی علم ظاہری یا باطنی یعنے معرفت میں کمال ہی کمال ہوتا ہے اور ان کا یہی کمال حقیقی کمال متصور ہوتا ہے ہم نے اعتباری لحاظ سے انھیں کمال اضافی کہا تھا اور احکام کے اجراء کے لیے اعتبارات کا اعتبار ہوتا ہے اگر اعتبارات نہ ہوں تو احکام باطل ہو جائیں چنانچہ اہل فن کا مقولہ مشہور ہے لولا الاعتبارات بطلت الحقائق اعتبارات سے اضافات اور نسبتیں مراد ہیں اور ایسی اضافات اشیاء میں ضروری ہیں

ف چونکہ مقام باطنی قرب ذاتی کے مقام کا نام ہے اسی لیے اس مقام قرب ذاتی کو من لدنا سے تعبیر فرمایا ہے یعنی اس بندۂ محبوب کو ہم نے اپنی ذات احدیت کا مقام عطا فرمایا ہے یہی وجہ ہے صوفیہ کبار رحمۃ اللہ نے وہ علوم جو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کسی کو عطا ہوں انھیں علم لدنی سے تعبیر کیا ہے اور یہی علم باطن ہے اسی لیے کسی صوفی شاعر نے کہا ہے

علمنا بلا حرف وصوت

قرأناہ بلا سہو وفوت

ترجمہ: ہم نے علوم وحرف وصوت کے بغیر پڑھا اور ایسا پڑھا کہ اس میں نہ سہو کا خطرہ ہے نہ فوت ہونے کا۔
یعنی ہمیں وہ علوم فیض الٰہی اور الہام ربانی سے نصیب ہوئے ہیں ہم نے انھیں تعلیم لفظی اور تدریس قولی سے حاصل نہیں کیے۔

ف علم ظاہری کو علم باطنی سے وہی تعلق ہے جو ظاہری کو باطن سے ہوتا ہے اسی لیے ظاہری امور کی پابندی کو علم شریعت سے تعبیر کرتا ہے اور علم شریعت علم باطن کے لیے ایسے ہے جیسے گھر سے دروازے کو تعلق ہوتا ہے اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک شریعت کی پابندی ضروری[ئے] ہے اس لیے کہ جو گھر کے اندر آتا ہے تو اسے دروازہ سے جانا ہوتا ہے۔

نبی و علی صلے اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم الہیہ کا گھر بلکہ شہر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کا دروازہ حضرت علی رضی اللہ ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[لہ]

گر تشنۂ فیض حق بصدق حافظ

سرچشمۂ آن زساقی کوثر پرس

ترجمہ اگر تم فیض حق کے پیاسے ہو اے حافظ تو اس کا سرچشمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ

تحقیق انیق حضرت موسیٰ علیہ السلام جس علم کو حضرت خضر علیہ السلام کے ہاں حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے وہ اشارات کے طریق سے حاصل ہوتا تھا وہ علم باطن جو مکاشفہ کے طور حاصل ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں اور نہ یہی علم ظاہری جسے الفاظ کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اس کی دلیل ظاہر ہے کہ اگر وہ ظاہری باطنی علم ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ہاں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ اسے اللہ تعالےٰ خود بلا واسطہ یا بواسطہ جبریل علیہ السلام ایسے علوم عطا فرماتا انھیں حضرت خضر علیہ السلام اس لیے بھیجا تھا تاکہ معلوم ہو کہ وہ خصوصی علم ہے جسے اشارہ کے طور سکھایا جاتا ہے اگرچہ وہ بھی وہی علوم مذکورہ تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل بھی تھے لیکن چونکہ ان پر علوم ظاہری غالب تھے اور وہ انھوں نے عبارات کے طریق سے حاصل کیے تھے اور یہاں اشارات کے طور سکھایا جانا تھا اسی لیے خضر علیہ السلام نے انھیں فرمایا:

انک لن تستطیع صبرا وکیف تصبر علی مالم تخط بہ خبرا اور خضر علیہ السلام پر اشارات کا غلبہ تھا اسی لیے عبارات کے علوم والے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رہنے کا عدم امکان کا اظہار فرمایا صدق اللہ تعالےٰ ولکل وجھۃ ھو مولیھا اور فرمایا، قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ۔

امام اعظم و حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موازنہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو موسیٰ علیہ السلام

لہ اس حدیث شریف سے شیعہ دھوکہ دیتے ہیں اور جاہل سنی بھی حقیقت سے بے بہرہ ہیں حالانکہ حدیث شریف میں چاروں یاروں کے نام اسی ترتیب سے ہیں جیسے ہم مانتے ہیں اس کی تفصیل فقیر کی کتاب شرح آئینہ شیعہ نما میں ہے اویسی غفرلہٗ

ئے شریعت سے بے بہرگی اور طریقت کا دم بھرنے والو جاہلو سمجھو اور اے جاہل عوام بھائیو ایسے مکاریوں سے بچو جو شریعت پر عمل نہیں کرتے اور پھر بھی وہ تمہارے پیر و مرشد ہیں ہم اہلسنت بریلویوں کو یہ نام نہ کرو پیر و مرشد صرف اسے مانتے ہیں جو عقائد حق کے بعد شریعت کا پابند ہو۔

کے ظہور اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بمنزلہ حضرت خضر علیہ السلام کے سمجھئے اور قاعدہ ہے کہ جس پر جس شے کا غلبہ ہوتا ہے اسی کا ظہور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا پر ظاہری علم غلبہ تھا اسی لیے ان سے علوم ظاہرہ اور شریعت مطہرہ کا ظہور رہا۔ ورنہ ان میں علوم باطن اور طریقت و معرفت و حقیقت کی کمی نہیں تھی آپ نے زندگی بھر علوم شرعیہ کی خدمات سرانجام دیے اگرچہ گا ہے گا ہے آپ نے علم باطن بھی صادر ہوجاتا تھا اور حضرت حسن بصری پر علم بطون کا غلبہ تھا اسی لیے ان سے باطن کی باتیں ظاہر ہوئیں امام اعظم شمسی المشرب اور حضرت حسن بصری قمری المشرب ہیں یہی وجہ ہے کہ امام اعظم کا فلک حضرت حسن بصری کے فلک سے وسیع تر ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ عوام کی رحمت عامہ تھے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ خواص کے لیے رحمت خاصہ امام اعظم اسم رحمٰن کے مظہر تھے اور حضرت حسن بصری اسم رحیم کے مظہر اس سے خود اندازہ لگائیں کہ امام اعظم کا مشرب شرقاً غرباً شمالاً جنوباً کونے کونے میں پھیل گیا آپ کی مذہب مثال ایسے ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی نبوت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی جیسے ولایت کا خاتمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوگا ایسے ہی امام اعظم کا مذہب خاتم المذاہب ہے اس معنے پر آپ کا مذہب شمس المذاہب ہے اور آپ کو اسی لیے سراج الامہ کاشف الغمہ رافع الظلمہ دافع البدعہ، محی الدین حافظ الشریعۃ بالکتاب والسنۃ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا مذہب و مشرب قمری تھا اسی لیے آپ کی برکت سے قلوب و نفوس طبائع کو ظلمت غفلت و ہوئی سے انوار و معرفت و اسرار الحقیقت والھدیٰ کے ساتھ نورانی بنایا سبحان اللہ کیا ہی وہ ذات برکت والی ہے جس نے آسمان میں بروج پیدا فرما کر اس میں سورج نورانی اور چاند چمکیلا بنایا آیت میں شمس کی تقدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم کا مرتبہ حضرت حسن بصری سے بلند و بالا ہے اس لیے کہ امام اعظم اسم اوّل وظاہر کے اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اسم آخر اور باطن کے مظہر ہیں اور آیت ھو الاول والآخر والظاھر والباطن میں اسم اوّل وظاہر اسم آخر اور باطن سے مقدم ہیں یاد رہے کہ اس مرتبہ کا فرق ہم نے مراتب کی ترتیب کا اعتبار کیا ہے ورنہ ان کا اصلی کمال اور حقیقی فضل خدا جانے ہم ان کے متعلق انگشتری کے حلقہ کی مثال دے سکتے ہیں کہ جس طرح حلقہ کے لیے نہیں جانتے کہ اس کا اوّل کہاں اور آخر کہاں ایسے ہم ان حضرات کے متعلق کچھ نہیں جانتے کہ ان میں افضل و اکمل کون ہے ہاں ہماری اس بات کا اعتبار وہی کرے گا جو ان حضرات سے عقیدت رکھتا ہے اور جو ان کا مخالف ہے وہ تو ہے ہی مخالف۔

ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم احناف کے ذاکرین و شاغلین کے مقتدا۔ امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ اور شوافع کے امام شافعی اور مالکیوں کے امام مالک اور حنبلیوں کے امام احمد حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

غیر مقلدین وہابیہ کا رد یہ ائمہ اربعہ خلفاءِ راشدین کی طرح ہیں جو بھی ان حضرات کی اقتدا کرے گا ہدایت پائے گا کیونکہ ہدایت کے ستارے بلکہ چاند بلکہ سورج ہیں وہ دین کے گھر کے چار ستون ہیں جیسے کوئی مکان ستونوں کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی طرح ان حضرات کی اقتدا کے بغیر دین سے بہرہ وری نصیب نہیں ہوگی

غلطی کا ازالہ بعض جہّال سمجھتے ہیں کہ ائمہ شرع علم معرفت و حقیقت طریقت سے فارغ ہوتے ہیں معاذ اللہ بلکہ وہ تمام

مشائخ طریقت کے لیے بمنزلہ سورج کے ہیں چنانچہ صاحب روح البیان نے تصریح فرمائی ہے کہ

وهم ابعض من سائر الاقطاب والاولياء كالعرش والشمس من الافلاك والنجوم وليس يغرهم ممن بعدهم الى يوم القيمة بدون الاقتداء بهم اهتدأ الى طريق الجنة والرؤية ومن اقتدى بهم فى الشريعة والطريقة والحقيقة وعلم علومهم وعمل اعمالهم وتادب باداب مذهب ايهم كان بحسب وسعه فلاشك انه اقتفى اثر رسول الله عليه السلام ومن لم يقتد بهم فى ذالك فلاشك انه ضل عن اثر الرسول وخرج عن دائرة القبول هذا كله من

کلام حضرت شیخی وسندی مع اختصار

وہ دوسرے اقطاب و اولیاء کی طرح عرش کی طرح اور ایسے ہیں جیسے آسمان پر سورج اور ستارے ہیں اور یہ شرف و مرتبہ قیامت تک آنے والے اولیاء کو حاصل نہ ہوگا جب تک ان کی اقتداء نہ کرے یعنی شریعت و طریقت و حقیقت اور علم و عمل اور ان کے آداب سے متادب ہو ۔ اس لیے کہ ان کی اتباع در حقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو ان کی اقتداء نہیں کرتا وہ رسول اللہ صلی اللہ کے راستہ سے دور بھٹک گیا اور دائرہ قبول سے محروم ہو گیا ۔

سوال بعض مشائخ طریقت سے منقول ہے کہ

ان المجتهدين لم ينالوا العشق

مجتہدین کو منازل عشق کی کیا خبر

جواب صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس عبارت کے متعدد جواب ہیں جنھیں میں نے اپنی تصنیف "تمام الفیض" میں بیان کیا ہے ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ جن مشائخ سے یہ کلمات صادر ہوئے ان سے وہ حالت سکر میں نکلے ہیں جب ان پر مستی کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کے ایسے کلمات قابل اعتماد نہیں ہوتے جیسے بایزید قدس سرہ کے غلبہ حال سے سبحانی ما اعظم شانی صادر ہوا ۔

سبق ہر کلمہ گو مسلمان کا فرض ہے کہ ان حضرات ائمہ مجتہدین کے حق میں لب کشائی نہ کرے بلکہ ان کی مدح سرائی کرے تاکہ اسے دارین کی سعادت حاصل ہو ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَهُ مُوسٰى یہ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے کلام سابق سے سوال پیدا ہوا گویا کسی نے پوچھا کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں کیا گفتگو ہوئی تو جواب ملا کہ موسٰی علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا هَلْ اَتَّبِعُكَ کیا میں آپ کی صحبت میں رہ سکتا ہوں عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ اس شرط پر کہ مجھے آپ سکھائیں یہ جملہ کاف سے حال ہے اس میں موسٰی علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی ہے اور کہا ہے کہ میں آپ کی صحبت میں صرف حصول تعلیم کے لیے رہنا چاہتا ہوں اس سے شرف صحبت کی دلیل ظاہر ہوئی مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ اس علم ذی رشد سے جو آپ کو عطا ہوا ہے تاکہ میں آپ سے وہی علم حاصل کر کے اپنے دینی معاملہ میں رشد حاصل کروں رشد بمعنے اصابۃ الخیر ۔ کاشفی نے فرمایا کہ موسٰی علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا کہ مجھے وہ علم سکھائیے جو مبنی بر رشد ہو خیر کی اصابت کا علم ۔

ف موسٰی علیہ السلام نے جلالت شان کے باوجود تواضع و انکسار سے بات کی اس سے شاگردوں اور مریدوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ان سے استفادہ و استفاضہ یا اپنے سے بڑے عالم کے سامنے تواضع و انکسار سے پیش آئیں۔[لہ]

لہ لیکن ہمارے دور میں یہ طریقہ مفقود ہوتا جا رہا ہے افسوس بزرگوں اور اپنے سے بڑوں کی وقعت دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے۔ اویسی غفرلہ

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تواضع وانکساری آپ نے کہاں سے سمجھی؟

جواب ھَلْ اَتَّبِعُكَ میں موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنا تابعدار ظاہر فرمایا ہے اور واضح کیا کہ جو علم آپ سے سیکھوں گا اس سے میں ناواقف ہوں آپ مجھے اپنے ساتھ رکھ کر وہی علم سکھائیے یہ بات انھوں نے مما علمت سے ظاہر فرمائی یہ من تبعیضیہ ہے اس سے ایک اور بات ظاہر ہوئی وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو یقین دلایا کہ میں آپ کی مساوات کا دم نہیں بھرتا بلکہ مجھے آپ کے علوم سے بھی حصہ مل جائے تو غنیمت ہے گویا فرمایا کہ میری مثال اس فقیر جیسی ہے جو دولت مند کے مال سے تھوڑا سا حصہ طلب کرتا ہے مما علمت میں تصریح فرمائی ہے کہ میرا عقیدہ ہے کہ آپ کا علم عطائے الٰہی ہے ہےرشدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے کہ اس کے بغیر انسان گمراہی کے گھاٹ اترتا ہے۔ اور خضر علیہ السلام سے استدعا کی کہ مجھے وہ علوم سکھائیے جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو عطا ہوئے ہیں اسی طرح سے آپ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکرانہ کریں حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ اے صاحب کرامت شکرانہ سے ہی سلامت نصیب ہوگی تم دولت کے موجود ہونے پر فقیر بے نوا کی مدد فرمائیے

علم کی فضیلت حضرت باقتادہ نے فرمایا کہ اگر علم ضروری نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام علم کے لیے اتنا مشقت نہ اٹھانی پڑتی تبھی تو خضر علیہ السلام سے تابعداری کی پیشکش کی کما قال

زجاج نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے طریقۂ کار سے معلوم ہوا کہ باوجود اجلۂ انبیاء علیہم السلام ہونے کے علم

طالب علمی کی فضیلت کی طلب میں دور دراز اور مشقت بھرا اختیار فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ انسان ظاہری طور کتنا ہی بلند قدر ہو جائے لیکن اس کے لیے لازم ہے علم دین کے حصول میں کوتاہی نہ کرے۔

حدیث شریف۔ اطلبوا العلم من المهد الى اللحد۔ گہوارے سے لے کر قبر کے اندر داخل ہونے تک علم حاصل کرتے رہو مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

خاتم ملک سلیمان است علم
جملہ عالم صورت وجانست علم

ترجمہ سلیمان علیہ السلام کے ملک کی انگشتری علم ہے جملہ عالم جسم اور اس کی روح علم ہے۔

ازالۂ وہم یہود: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور اس جلالت شان کے منافی نہیں کہ انہوں نے اپنے

ؔ الحمدللہ یہی عقیدہ ہم اہلسنت (بریلویوں) کو نصیب ہوا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے علوم غیبیہ کو علم عطائی سے تعبیر کرتے ہیں جسے وہابی دیوبندی شرک کہتے ہیں۔ ۱۲

سے کم درجہ کے نبی سے کسب **فیض** فرمایا اس لیے کہ ان کے علوم کا تعلق علم شریعت او رظاہری احکام پر تھا اور خضر علیہ السلام کے علم کا تعلق علم باطن سے تھا اور ایسے حصول فیوض کے منافی کی کوئی دلیل بھی نہیں علاوہ ازیں وہ مامور من اللہ تھے اور انبیاء علیہم السلام امر الٰہی نہ بجا لائیں تو اور کون لائے گا ۔

صاحب روح البیان کے پیرو مرشد کی تقریر صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ اکمل کامل سے تربیت و تعلیم پائیں تو اس میں حرج کیا ہے اس لیے کہ کبھی کامل کو اللہ تعالےٰ ایسے اسرار و رموز سے نوازتا ہے جو اکمل کو وہ نصیب نہیں ہوتے پھر اگر اللہ تعالےٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کبھی اسرار و رموز اکمل کو عطا فرمائے تو کبھی بلا واسطہ عنایت فرماتا ہے اور کبھی اس سے کم درجہ کے کامل سے اور یہ کب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اکمل کو اکمل سے یا اس کے ہم رتبہ کے واسطہ سے عنایات فرمائے وہ مالک ہے چاہے اکمل کے واسطہ سے عنایت فرمائے چاہے اس سے کم درجہ کے کامل سے اور ویسے کامل مطلقاً کامل ہے اس کے کمال علی الاطلاق کے لیے کاملیت و اکملیت کی قید کیسی اکملیت کسی کو حاصل ہے تو عارضی اصل میں تو وہ بھی کامل ہے اسی لیے یہودیوں کے ایسے وساوس و اوہام کو کسی شمار میں نہ رکھا جائے ۔

ف خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ایسے علم پر ہیں جسے آپ نے اللہ تعالےٰ سے حاصل فرمایا ہے اور میرے ہاں بھی ایک علم ہے جو مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوا ہے اس سے خضر علیہ السلام کی امتیازی شان کا اظہار مطلوب تھا کہ آپ بھی اگرچہ عالم من اللہ ہیں لیکن آپ کی علمی حیثیت اور ہے اور میرے علم کی حیثیت دیگر ۔

سوال تم اعتراف کر رہے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن حدیث شریف اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مجمع البحرین کی طرف روانہ فرمایا تو ساتھ ہی یہ فرمایا هو اعلم منك وہ آپ سے زیادہ عالم ہیں ۔

جواب ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ خضر علیہ السلام اسی علم خاص میں موسیٰ علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن اس سے کب ثابت ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے من کل الوجوہ اعلم تھے یہ تو اجماع امت کے خلاف ہے کون نہیں مانتا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے اعلم ہیں لیکن اس کے آپ نے ایک موقعہ پر باغبانوں سے فرمایا ، انتم اعلم بامور دنیاکم تم میرے سے اپنے دنیوی امور میں زیادہ عالم ہو

لہ اس حدیث کو لے کر دیوبندی وہابی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سخت چوٹ کرتے ہیں اور کلیہ کے طور کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دنیوی امور میں یکسر بے خبر تھے اسی قاعدہ کو براہین قاطعہ میں لکھا کہ حضور علیہ السلام سے شیطان و ملک الموت کا علم زائد ہے اسی قاعدہ پر اشرف علی تھانوی نے الافاضات الیومیہ میں لکھا کہ آپ سے سیاسی لوگ سیاست میں زائد علم رکھتے ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ ادھر خود اقراری کہ حضور علیہ السلام علے الاطلاق جمیع مخلوق سے اعلم ہیں لیکن جب تفصیل کا موقعہ آتا ہے تو دنیوی معاملات میں حضور علیہ السلام یکسر بے خبر ثابت کرتے ہیں ان کا استدلال حدیث مذکور سے ہے واقعہ یوں ہے کہ مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نر درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے ۔

ف قصص الانبیاء میں ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہم السلام دریا کے کنارے پر بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ اڑتا ہوا دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنی چونچ دریا میں ڈال کر چونچ کے پانی کو اپنے پروں پر مل دیا اس کے بعد پہلے مشرق اور پھر مغرب کی طرف اڑتا ہوا کچھ اپنی بولی میں کہتا چلا گیا حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کچھ معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے آپ نے کہا مجھے معلوم نہیں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وہ کہتا تھا کہ تمام بنو آدم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں یہی نسبت ہے جو میرے چونچ کے پانی کو سمندر سے ہے۔

تلقیح چھوڑ دی خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرور عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم اپنے دنیاوی معاملات تم خوب جانتے ہو وہابی کہتے ہیں کہ آپ کو علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاویں گے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا انتم اعلم بامور دنیاکم اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تم جانو اس سے نفی علم مقصود نہیں شرح شفا ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں

وحصه الله من الاطلاع على جميع مصالح الدنيا والدين واستشكل بانه عليه السلام وجد الانصار يلقحون النخل وقال لو تركتموا فتركوه فلم يخرج شيئا او خرج شقيصا فقال انتم اعلم بامور دنياكم قال الشيخ السنوسي اراد ان يحملهم على خرق العوائد فى ذالك الى باب التوكل واما هنالك فلم يمتثلوا فقال انتم اعرف بدنياكم ولو امتثلوا وتحملوا فى سنة او سنتين تكفونه۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انھوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کرکے باب توکل تک پہنچا دیں انھوں نے نہ مانا تو فرما دیا کہ تم جانو اگر وہ یہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر جاتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔ ملا علی قادری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۴۳۳ میں فرماتے ہیں ولو ثبتوا على كلامه فى الفن ولارتفع عنهم كلفة المعالجة اگر وہ حضرات حضور علیہ السلام کے فرمان پر ثابت قدم رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور ان سے تلقیح کی محنت دور ہو جاتی فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا، ولا يعزب عن علمه عليه السلام مثقال ذرة فى الارض ولا فى السماء من حيث مرتبته وان كان يقول انتم اعلم بامور الدنياكم حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔ اس کی مزید تشریح ہم نے "رد سیف یمانی" میں لکھی ہے اور کچھ تفصیل تفسیر اویسی میں کر دی ہے۔

از علم تو نکتہ ایست عالم

زان دائرہ نقطہ ایست آدم

ترجمہ: تمام عالم تیرے علم کا نکتہ ہے اسی دائرہ کا ایک نقطہ ہیں آدم۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید کو جب شیخ کامل کا دامن نصیب ہو تو اس پر لازم ہے کہ ان کی صحبت میں رہنے کی اجازت نہایت ادب اور عجز تواضع سے طلب کرے اور دل میں شیخ کی تعظیم و تکریم ہو اس میں اپنے جلیل القدر مراتب و کمالات کو دخیل نہ بنائے اور تصور تک دل سے ہٹا دے کہ میرے نوکر چاکر ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ کہ باوجود جلالت وشان اور کلیم خدا ہونے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے طفل مکتب بن کر رہے تھے ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا یعنی مجھے اسی طرح علوم سکھائیے جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھائے ہیں جن میں نہ جبریل علیہ السلام کا واسطہ ہو نہ کسی کتاب کا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے سے کیوں اسی طرح کے علوم تو موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے

سوال: کمالات کے تو صرف یہی تین طریقے ہیں اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے پھر خضر علیہ السلام سے حاصل کرنے کا کیا فائدہ

جواب: واقعی ایسے مراتب جلیلہ کچھ کم نہیں تھے لیکن ان میں پھر واسطہ تھا مثلاً جبریل علیہ السلام بھی ایک واسطہ تھے اور کتاب بھی اور مکالمہ الٰہی سے دوئی کی بو آتی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس امر میں نور الٰہی کے فیض کے حصول کا وہ طریقہ نصیب ہو کہ جلال وجمال کے جلوے بلاواسطہ حاصل ہوں گویا محویت تامہ اور استغراق تام چاہتے تھے جیسے ارنی انظر الیک میں استدعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ درمیان میں میرے سے دوئی کو ہٹا دے اور وحدت کا وحدت عطا فرما دے یعنی وہ مرتبہ کہ جس میں نہ ملک مقرب کو گنجائش ہو نہ نبی مرسل کو نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی کامل شیخ کا دامن نصیب ہو جائے اور ان کی خدمت وصحبت میں رہنے کی اجازت حاصل ہو تو پھر نہ حسب کو دیکھے نہ نسب کو نہ جاہ وجلال کو اور نہ منصب وکمال کو اور اپنے جمیع علوم وفضائل ایسے فراموش کر دے کہ گویا وہ ایسا جاہل ہے کہ اسے نہ نیکی کا علم ہو نہ برائی کا نہ وہ دکھ کو جانتا ہے نہ سکھ کو نہ کراہت کا علم رکھتا ہے نہ عظمت کا حضرت حافظ نے فرمایا:

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات

مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

تیرا دل فیض کو قبول کر سکتا ہے صرف یہی ہو گا کہ اوراق کو نقوش سے پراگندہ کریگا۔

مرید پر لازم ہے کہ وہ شیخ کے ہر اوامر ونواہی کے سامنے سر جھکا دے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا کہ جب حضرت خضر علیہ السلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو انہیں اپنی نبوت یاد رہی نہ رسالت کا خیال رہا کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام جیسا مقرب فرشتہ آتا ہے اور میں کلیم خدا ہوں اور میرے ہاں کتاب الٰہی تورات اتری اور بنی اسرائیل میرے تابعدار تھے نہ تمام کمالات بھول کر خضر علیہ السلام کی نیازمندی اور خدمتگاری میں کمربستہ ہو گئے بلکہ اپنے تمام ارادات کو حضرت خضر علیہ السلام کے ارادہ میں گم کر دیے۔

قَالَ إِنَّكَ

آپ میرے

لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ

ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کیونکر صبر کریں گے جسے آپ کا علم محیط نہیں کہا عنقریب

سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي

اللہ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا کہا تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ

فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾

سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں

فَانطَلَقَا وقفه حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ

اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے اس

خَرَقَهَا ط قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ

بندہ نے اسے چیر ڈالا موسیٰ نے کہا کیا تم نے اسے اس لیے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبا دو بیشک تم نے بری بات کی کہا

أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا

میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے کہا مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور

تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانطَلَقَا وقفه حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ

مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا اس بندہ نے اسے

قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

قتل کر دیا موسیٰ نے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی بیشک تم نے بہت بری بات کی

تفسیر عالمانہ

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں گزار سکیں گے

اس میں موسیٰ علیہ السلام کے گزارہ نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے گویا خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کا میرے ساتھ رہنا نامناسب اور نادرست ہوگا اور اس سے صرف صبر کی نفی مطلوب نہیں بلکہ اصل مقصد یہی ہے کہ آپ کو چونکہ اس علم سے تعلق نہیں اسی لیے آپ کا رہنا نہ رہنے کے برابر ہوگا ہم نے یہ معنی اس لیے کیا ہے کہ نفی النفی سے اثبات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ استطاعت مع الفعل کا ثبوت ملا یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ (خلافاً للمعتزلہ)

ف موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کیوں صبر نہ کر سکوں گا اس کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہیے اس کے جواب میں خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ آپ پیغمبر ہیں آپ کے احکام مبنی بر ظاہر ہیں ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جو آپ کو خلاف نظر آئے حالانکہ درحقیقت مبنی برحق ہو آپ اپنی شریعت کے قانون کے مطابق میرے ساتھ معاوضہ پر مجبور ہو جائیں گے اس لیے آپ کا اور میرا اکٹھا رہنا محال ہو جائے گا

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۴۴۰ خبراً نجر آمیز ہے از خبر کے باب کے وزن پر مستعمل ہوتا ہے اور علم بمعنے عرف ہے یعنی خضر علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ کیسے صبر کر سکتے ہیں جب کہ میرے علم کو آپ احاطہ نہ کر سکیں گے اس میں خضر علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی کہ میرا علم ایسے امور مخفیہ پر مبنی ہے جس سے ظاہری علم کو برا لگے گا اور نیک آدمی بالخصوص صاحب شریعت ایسے امور کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکے گا اسی لیے آپ نے قبل از وقت موسٰی علیہ السلام سے فرما دیا۔

طالب علم دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ بعض تو کامل و مکمل اور اعلیٰ مہارت کے مالک ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض علوم میں اتنا مہارت نہیں رکھتے۔

ایسے طالب علم جب اپنے سے بڑے علم سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ان کے علم سے اونچی ہوتی ہیں تو وہ اپنے استاذ اور بڑے علم والے پر اعتراض کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ نفرت پیدا ہو کر جس سے استاذ و شاگرد کی ناچاقی ہو جاتی ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اس لیے کہ شاگرد اور تھوڑے علم والے کم علمی کی وجہ سے استاذ اور بڑے علم پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بسا اوقات نزاع اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے چنانچہ اس بات کو حضرت خضر علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ انك لن تستطيع معي صبرا۔ اے موسٰی علیہ السلام آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔

ف صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے "اللائحات البرقیات" میں تحریر فرمایا کہ ہر دونوں علم یعنی ظاہر و باطن موسٰی و خضر علیہم السلام میں موجود تھے فرق صرف اتنا تھا کہ موسٰی علیہ السلام پر علم ظاہر کا غلبہ تھا چنانچہ اس کی نبوت و رسالت ان کے اس غلبہ پر دلالت کرتا ہے۔

سوال هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا سے معلوم ہوتا ہے کہ موسٰی علیہ السلام علم باطن سے بے خبر تھے ورنہ وہ خضر علیہ السلام سے حصول علم کی استدعا نہ کرتے؟

جواب دراصل بات یہ ہے کہ وہ متعلم جو علوم ظاہری پڑھتا ہے تو وہ حروف والفاظ کا محتاج ہوتا ہے اور علم باطنی چونکہ اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوتا ہے اور اس کے علم میں حروف والفاظ نہیں بلکہ وہ ذوق اور وجدان وعیان حاصل ہوتا ہے وہاں دلائل براہین کو کوئی تعلق نہیں بلکہ اس علم کے لیے ذوق و کشف الٰہی اور القاء و الہام ہی چاہیے اس لیے کہ جمیع علوم باطنہ ایسے ہی حاصل ہوتے ہیں اسی لیے انہیں ذوقیات سے تعبیر کیا جاتا ہے نظریات کو ان میں کسی قسم کا دخل نہیں کیوں کہ نظریات کا قانون ہے کہ معلومات سابقہ یا تعمل بالملواحق سے مبادی و مقدمات کو مرتب کر کے حاصل کیا جاتا ہے یعنی ایک شے کو منتقل کر کے دوسری شے کو حاصل کرنا علم نظریات میں ضروری ہے اور علم باطن ذوق سے حاصل ہوتا ہے اس میں کسی شے کو واسطہ نہیں بنانا پڑتا اگرچہ موسٰی علیہ السلام کو بھی یہی ذوق حاصل تھا لیکن حکمت ربانی کا تقاضا ہوا کہ بندوں کو معلوم ہو کہ انسان کو ظاہری علم سے کتنا ہی وافر حصہ نصیب ہو تب بھی علم باطن کو حاصل کرے ورنہ وہ نامکمل رہے گا۔

ف خضر علیہ السلام پر علم باطن کا غلبہ تھا چنانچہ ان کی ولایت علاوہ اگر ان کی نبوت بھی ثابت ہے تب بھی ان پر غلبہ بطون تھا۔ اسی بنا پر موسٰی علیہ السلام سے فرمایا انك لن تستطيع معي صبرا وكيف تصبر على ما لم تحط به خبرا کہ آپ پر علم ظاہر کا غلبہ ہے۔

اور آپ رسالت کے احکام کے پابند ہیں اور میرے احکام علم باطن سے متعلق ہیں اور میں ان کے مقتضیات کا پابند ہوں اور معاملات غلبہ پر مربوط ہے اسی لیے ہمارا اور آپ کا ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ ارادات میں پختہ ہو اگرچہ ان کو پیر و مرشد امتحان کے طور یا دیسے ہی اپنے سے بار بار ہٹائے تب بھی شیخ کا دروازہ نہ چھوڑے مکھی کی طرح ضدی بن جائے کہ اسے جتنی بار بھگاؤ بار بار واپس لوٹتی ہے اسے یہ سبق موسٰی علیہ السلام سے سیکھنا چاہیے کہ انھیں جتنا بار خضر علیہ السلام نے اپنے ساتھ نہ رہنے کا فرمایا تب بھی موسٰی علیہ السلام نے ان کی ایک نہ مانی چنانچہ موسٰی علیہ السلام سے فرمایا کہ انک لن تستطیع معی صبرا۔ و کیف تصبر علی مالم تحط بہ خبرا یعنی آپ میرے ساتھ کیسے گزار سکیں گے حالانکہ میرے اور آپ کے مذہب میں فرق ہے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالے نے علم ظاہر اور شرع کے احکام کا پابند فرمایا ہے اور مجھے اللہ تعالٰی نے علم باطن اور احکام طریقت کا پابند فرمایا ہے[ف] اور میں اسی کے مطابق عملدرآمد کروں گا اور علم لدنی و کشف حقائق کے اجرا کروں گا وہ اس لیے کہ میں ہویت حق میں محو و فنا ہوں اور اس کی الوہیت سے مجھے بقا نصیب ہوئی اسی سے میں دیکھتا اور سنتا اور بولتا ہوں اور اسی کی طاقت سے لیتا دیتا ہوں بلکہ میرا ہر کام اس میں فانی ہے میرا علم اسی کا علم ہے میں وہی جانتا ہوں جو اس کا علم ہے میرا اپنا کچھ نہیں

قَالَ موسٰی علیہ السلام نے فرمایا سَتَجِدُنِیٓ آپ مجھے پائیں گے (انشاء اللہ صابرا)

تفسیر عالمانہ انشاء اللہ صبر کرنے والے یعنی میں آپ کی رفاقت میں صبر کروں گا آپ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کروں گا الصبر بمعنے الحبس یعنی نفس کو آپ کے تابع رکھوں گا مثلاً کہا جاتا ہے۔

انشاء اللہ کہنے کا نکتہ: موسٰی علیہ السلام نے انشاء اللہ یا تو اللہ تعالٰی سے مدد طلبی یا توفیق کے لیے یا تبرک کے طور یا انھیں معلوم تھا کہ یہ کام بہت سخت مشکل ہے بالخصوص ایسے امور میں جہاں فساد کا ظہور ہو تو موسٰی علیہ السلام کو خاموش رہنا اور زیادہ سخت تھا اسی لیے اللہ تعالٰی کی امداد ضروری امر تھا بعض نے کہا کہ انشاء اللہ اس لیے کہا کہ انھوں نے اپنے پر بھروسہ نہ کیا جیسا کہ صلحا کی عادت ہے

الجواب: تمام انبیاء علیہم السلام کے مزاج گرامی بلغمی تھے سوائے موسٰی علیہ السلام کے کہ ان کا مزاج اقدس صفراوی تھا۔

سوال: موسٰی علیہ السلام نے ستجدنی انشاء اللہ صابرا، کہنے کے باوجود نہ صبر کیا اور اسماعیل علیہ السلام نے ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین کہا اور صبر بھی کیا؟

ف بعض لوگ سمجھتے ہیں علم شریعت و طریقت علیحدہ علیحدہ ہیں یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ وہ ایک شے ہیں امر الٰہی سے بندے مامور ہوتے ہیں ہم سب عوام علم ظاہر یعنے شرع پر چلنے پر مامور ہیں اس لیے جو لوگ شرع کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ ۱۲ –

جواب ۱: موسیٰ علیہ السلام چونکہ طالب علم کی حیثیت سے خضر علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور طالب علموں کی فطرت ہے کہ جب تک اپنے استاذ سے کوئی شے سمجھ نہ لیں وہ صبر نہیں کرتے پوچھتے ہی رہتے ہیں اور اسماعیل بحیثیت متعلم ہونے کے نہیں تھے بلکہ ان کا مقام تسلیم و تفویض تھا اسی لیے ان کو صبر ضروری تھا ہر دونوں حضرات اپنے اپنے مقام پر حق پر تھے

جواب ۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام غیرت وحدت پہ تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حلم و صبر کے مقام پر اسی لیے انہوں نے اپنے اپنے مقام کا حق ادا کیا۔

لطیفہ: اسماعیل علیہ السلام نے اس لیے صبر کیا کہ انہوں نے من الصابرین کہہ کر اپنے آپ کو صابرین میں داخل فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام صابراً کہہ کر اپنے آپ کو منفرد کر کے صابرین سے علیحدہ کر لیا اگرچہ تفویض الی اللہ منفرد ہونے سے احسن اور تحصیل مقام اور وصول مرام کے لیے اوفق ہے ولا اعصی لک امرا اس کا صابراً پر عطف ہے یعنی مجھے صابر اور غیر عاصی پاؤ گے یعنی میں آپ کے ہر حکم کا پابند رہوں گا اور آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

نکتہ: صرف انشاء اللہ کہہ دیتے اور وعدہ دینے سے خضر علیہ السلام کو اس طرح کا اعتماد پیش کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے کسی فعل و قول بلکہ ان کی جملہ حرکات و سکنات میں کسی شے پر معترض نہ ہو بلکہ ان کے ہر معاملہ میں پختہ اعتقاد رکھے اگر ان سے کوئی عمل غیر شرعی و عقلاً پسندیدہ نہ دیکھے تو نہ ان پر اعتراض کرے اور نہ ہی ان سے بدگمانی کرے بلکہ یہ سمجھے کہ میری غلطی ہے ورنہ وہ اپنے معاملہ میں حق پر ہیں کیونکہ میرے علم و عقل میں کوتاہی ہو سکتی ہے ان کے معاملات میں کسی قسم کی خامی نہیں ہے۔ قال فان اتبعتنی خضر علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ میرے ہاں حصول علم کے لیے میری اتباع کریں گے فَلَا تَسْـَٔلْنِىْ عَنْ شَىْءٍ تو میرے سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا اگرچہ آپ کو میرے سے کوئی معاملہ آپ کی شرع کے خلاف نظر آئے تو نہ میرے سے اس کا سوال کرنا اور نہ اس کی حکمت پوچھنا چہ جائے کہ معاوضہ یا مخالفت کریں۔

ف اس سے خضر علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ رہنے کا اذن ثابت ہوا اور بعد از بحث و تمحیص اجازت بخشی۔

فان اتبعنی کی فا موسیٰ علیہ السلام کے صبر وغیرہ کے وعدے سے متفرع ہے حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا یعنی آپ کو میرے امور سے سوال کرنے کی اجازت نہیں جب تک میں خود ان کا اظہار نہ کروں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہر امر مبنی بر حکمت اور راز مخفی تھا

مسئلہ: طالب علم کو اپنے استاذ گرامی اور مرید کو اپنے شیخ سے ایسے ہونا لازمی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔

مسئلہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید اور شاگرد پر لازم ہے کہ استاذ اور شیخ کے کسی معاملہ پر لب کشائی نہ کرے جب تک وہ خود نہ بتائیں خواہ زبان قال سے یا زبان حال سے۔

حکایت: حضرت لقمان داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت داؤد علیہ السلام زرہ بُن رہے تھے چونکہ لقمان نے زرہ نہیں دیکھی تھی اسی لیے متعجب ہوئے اور ارادہ کیا کہ داؤد علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھیں لیکن اپنی حکمت سے سوال مناسب نہ سمجھا خاموش رہے یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام نے زرہ بنا کر پہن لی اور فرمایا نعم الدرع للحرب یہ جنگی چولا کیسا بہتر ہے بعض نے فرمایا کہ لقمان نے اس پر سال بھر سوچ بچار فرمائی اور داؤد علیہ السلام سے پوچھا بھی نہ۔

خاموشی کے فوائد: ۱۔ حکماء کا فرمودہ ہے کہ بولنا چاندی اور خاموشی سونا

۲۔ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ خاموشی دو قسم ہے ۱۔ غیر اللہ کے ساتھ غیر اللہ کے کلام سے خاموش رہنا ۲۔ کونین کی باتوں کو قلب پر نہ آنے دینا۔

۳۔ کسی کی صرف زبان خاموش اور قلب کو خاموشی نہ ہو تو صرف اس کے گناہ ہلکے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کا دل خاموش ہو اور زبان خاموش نہ ہو تو اس کی زبان سے حکمت کی باتیں صادر ہوں گی

۵۔ جس کی زبان اور قلب دونوں خاموش ہوں تو اسے اسرار الٰہی نصیب ہوں گے اور تجلی حق سے نوازا جاتا ہے

۶۔ جس کا نہ دل خاموش ہو اور نہ زبان وہ شیطان کا کھلونا ہے

سبق: عاقل کو چاہیے کہ قلب کو انقباض اور زبان کو اعتراض سے بچائے اور ماسوی اللہ کو بالکل فراموش کرنے کی کوشش کرے اور پریشان افکار سے ذہن اور قلب کو صاف رکھے صبر و استقامت کا دامن مضبوط پکڑے اور بارگاہ حق میں سر تسلیم خم رکھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگر کسی شے کو ضائع کرتا ہے تو اس کا اعلیٰ اور بہتر صلہ عطا فرماتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لا نسلم و اعتراض از ما برفت
چوں عوض می آید از مفقود رفت
چونکہ بے آتش مرا گرمی رسد
راضیم گر آتش ما را کشد
بے چراغی چوں دہد از روشنی
گر چراغت شد چہ افغان میکنی
دانہ پر مغز با خاک دژم
خلوتی و صحبتی کرد از کرم
خویشتن در خاک کلی محو کرد
تا نماندش رنگ و بوی سرخ زرد

از پسی لذ حو قبض رونمـــاند

برکش دوبست شد مرکب براند

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے اہل خلوت سے بنائے ان حضرات کی صحبت عطا فرمانے جو صحبت کے لائق اور سرتسلیم خم کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ: فَانْطَلَقَا پس وہ دونوں یعنی خضر و موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے چل پڑے انہیں کسی کشتی کی تلاش تھی۔

ف: یوشع علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف واپس بھیجا اور کاشفی نے لکھا کہ وہ ان دونوں کے پیچھے پیچھے تھے

سوال: کاشفی کا قول غیر صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یوشع علیہ السلام ان دونوں حضرات کے ساتھ ہوتے تو قرآن مجید میں فانطلقوا جمع کا صیغہ ہوتا فانطلقا تثنیہ کا صیغہ بتاتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھے

جواب: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت کا قصہ اب خضر علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا ہے اسی لیے صیغہ تثنیہ لایا گیا ہے اور چونکہ یوشع علیہ السلام ان دونوں کے تابع ہو کر ان کے پیچھے پیچھے تھے اسی لیے تابع کے ذکر کو غیر معتبر قرار دے کر اصل کا ذکر کیا جاتا ہے

جواب۲: حدیث شریف میں ہے: مرت سفینة فكلموهم ان يحملوهم فعرفوا الخضر فحملوا بغير نول۔

وکذا فی المشارق یعنی ان کے قریب سے کشتی گزری تو انہوں نے اس میں سوار ہونے کا کہا تو ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا خضر علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو مفت سوار کر لیا اس حدیث شریف کی ضمیر جمع سے کاشفی کے قول کی تائید ملتی ہے اور جنہوں نے کہا ہے کہ یوشع علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ہاں واپس بھیجا گیا ہے یہ غیر معتبر یا بایں معنی ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے جب ہارون علیہ السلام موجود تھے تو یوشع علیہ السلام کی ضرورت کیوں۔ واللہ اعلم۔

اِذَا رَكِبَا یہاں تک کہ سوار ہوئے فِي السَّفِيْنَةِ کشتی پر۔ بعض روایت میں ہے کہ یہ دونوں یعنی موسیٰ و خضر علیہم السلام جب کشتی تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچے تو کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر ان دونوں کو کشتی میں مفت سوار کر لیا۔

ف: حدیث شریف میں لفظ نول آیا ہے بفتح انوں بمعنے بلا اجرت۔

خَرَقَهَا کشتی پر بیٹھتے ہی خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر کشتی میں سوراخ کر دیا وہ بھی دریا کی موج میں مروی ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی سے کلہاڑا اٹھا کر لوگوں سے چشم چرا کر کشتی سے وہ دو تختے نکال لیے پانی کی سطح کو قریب تر تھے موسیٰ علیہ السلام کشتی کے سوراخ کپڑے سے بند کرتے اور خضر علیہ السلام اسے و شیشے سے چیرتے بعض روایت میں ہے کہ اگرچہ خضر علیہ السلام نے کشتی کو چیر دیا تھا لیکن اس میں پانی داخل نہیں ہوا تھا بعض روایت میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کے کنارے سے چند ایسے تختے نکالے جو صرف کشتی کے لیے عیب تو بن سکتے تھے لیکن اس کے اندر پانی داخل نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے بطور انکار کہا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا۔ اے خضر علیہ السلام آپ نے کشتی کو اس لیے چیرا تا کہ کشتی والے لوگ

غرق ہو جائیں اسی لیے کہ کشتی چر جائے گی تو اس میں لازماً پانی داخل ہوگا جب پانی داخل ہوگا تو کشتی والے لازماً غرق ہوں گے اور یہ انصاف کے خلاف بھی ہے کہ کشتی والوں نے بلا اجرت ہمیں کشتی میں بٹھایا اور ہم ان کی کشتی توڑیں اس معنے پر لتغرق کی لام عاقبت کی ہوگی۔

ف: سعدی مفتی نے فرمایا کہ یہ لام تعلیل کی ہونی چاہیئے اس لیے کہ یہ مقام انکار ہے اور انکار کے مقام پر لام تعلیل زیادہ موزوں ہے

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ۝ بے شک آپ نے ایک ایسا عجیب ناکام کیا ہے جس سے دل گھبراتا ہے قاموس میں ہے۔ امر (بکسر الهمزه) امر منکر عجیب ہر کام جو اجنبی اور عجیب ہو زمخشری کے بلاغات میں ہے کم احدث بک الزمان امرا امرا کما لم یزل یضرب زید عمرا یعنی جتنا زید کی عمر کو مار کو دوام ہے ایسے ہی دنیا میں تیرے رہنے کا حال ہے

ف: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر لازم تھا کہ وہ خاموش رہتے اگرچہ ان کے ظاہری علم کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی شرع کے خلاف امر دیکھ کر انکار کرتے اس لیے کہ محبوب پر انکار نہ کرنا ضروری ہے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مزن ز چون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجاں ہر سخن کہ جاناں گفت

ترجمہ: چوں و چرا نہ کرنا لازمی ہے اس لیے مقبول بندہ وہی ہے کہ محبوب کے سخن کو بدل و جان قبول کرے۔

قَالَ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اَلَمْ اَقُلْ کیا میں نے آپ کو کہا تھا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سابقہ انکار کی یاد دہانی کرائی کہ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ تا دیر نہیں رہ سکیں گے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دل سے یہ بات اتر گئی کہ میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا تھا لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ لہٰذا آپ میرے نسیان پر مواخذہ نہ فرمائیے اور یقین فرمائیے کہ مجھے آپ کی وصیت بھول گئی جب کہ آپ نے فرمایا تھا کہ قبل از بیان کسی بات پر اعتراض نہ کرنا۔ اب کی بار مجھ سے بھول ہو گئی اور بھول پر گرفت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف پہلی بار موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی دوسری بار خطا ہوئی تیسری بار آپ نے عمداً کیا۔ (بخاری شریف)

وَلَا تُرْهِقْنِيْ۔ رھق بروزن فرح بمعنی غشی ارھق از ارھاق انسان پر ایسا بوجھ ڈالنا جس کا وہ متحمل نہ ہو اہل عرب کہتے ہیں ارھقہ عسرا یعنی فلاں کو اس نے دکھ میں ڈالا اور قاموس میں لا ترھقنی بمعنے ولا تغشنی ولا تکلفنی ولا تحملنی لکھا ہے کاشفی نے ترجمہ کیا کہ در مرسان مرا ،، یعنی نہ پہنچائیے مِنْ اَمْرِيْ میرے معاملہ کو یعنی میرے ساتھ رہنے کو عُسْرًا دشواری میں لا ترھقنی کا مفعول ثانی ہے یعنی رفاقت کا معاملہ میرے اوپر مشکل تر بنائیے بلکہ آسانی فرمائیے اور چونکہ مجھے آپ کے ساتھ رہنے کا ارادہ ہے لہٰذا ایسے معاملات میں میرے ساتھ چشم پوشی فرمائیے بلکہ ایسی غلطیاں معاف فرما کر میرے ساتھ جھگڑا نہ فرمائیں۔

بپوشش دامن عفوے بروئی جـرم مرا
مریدآب زرخ بنـده بدین چوں وچرا

ترجمہ: میرے جرم پر پردہ ڈالیے غلام کے چوں چراپر اس کی عزت نہ گنوائیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کی شرائط میں داخل ہے کہ اپنی ہدایت مرید سے منوانے کی کوشش نہ کرے بلکہ پہلے اسے آزمائے پہلے اسے راہ سلوک کی صعوبتیں اور مقصود راہ کی فضیلتیں پھر اس کی مشقتیں بتائے اور وہ بھی بشارتوں کے رنگ نہ اسے ڈرائے اور نہ ایسے طور طریقے بتائے کہ جس سے اسے نفرت پیدا ہو جب یقین کرے کہ وہ اس راہ پر چلنے کا اہل ہے بلکہ حصول مقصد میں صادق ہے اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہونے کے لائق ہے اور غیر اللہ کی طرف اس کا جی نہیں لگتا تو ایسے مرید کو اپنی خدمت وصحبت کے لیے قبول کرے بلکہ جتنا ہو سکے اس کی تربیت میں جد وجہد کرے اور اسے اپنے مولیٰ کی طرف راغب کرنے میں کوشاں ہو اور اس کی روحانی تربیت میں ویسے محنت کرے جیسے اپنی اولاد کی تربیت کی جاتی ہے غرضیکہ عبودیت کے بہترین طور اطوار جتنا اسے آتے ہیں مرید کو سکھائے نیز شیخ پر لازم کہ مرید پر شفقت و رحمت کے پیش نظر اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرے وہ غلطیاں اس سے عملاً سرزد ہوں یا خطأً یا نسیانہ خواہ اس کے اپنے متعلق ہوں یا شیخ کے عہد کے متعلق ہاں اوامر ونواہی الٰہیہ کی کوتاہی میں چشم پوشی کے بجائے اس کا حسن اسلوب سے مواخذہ کرے یا اپنے شیخ پر اعتراض وانکار کرتا پائے تو بھی چشم پوشی نہ کرے بلکہ اسے آداب شیخ سمجھائے اگر وہ ایسے امور یعنی اوامر ونواہی کی پابندی کرے اور شیخ کے اقوال احوال پر اعتراض وانکار سے باز آجائے تو بلکہ اس سے توبہ واستغفار کرائے اور نادم ہو کر آئندہ غلطیوں کے ارتکاب سے بچنے کا پختہ عہد کرائے تو اسے اپنے ساتھ رکھے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا لا تؤاخذنی بما نسیت و لا ترھقنی یعنی آپ مجھے تنگی میں نہ ڈالیے اس لیے کہ مجھ سے ایسی تنگی اٹھائی نہیں جائے گی۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیا علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے ولیکن اسے عدم التفات سے تعبیر کیا جاتا ہے[1] تاکہ معلوم ہو کہ ہر عیب سے منزہ اور پاک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن ان کے نسیان کا عصیان انبیاء علیہم السلام کے اکثر معاف ہو جاتا ہے بالخصوص جب وہ خود اس پر اظہار معذرت فرمائیں کسی نے کہا ہے

اقبل معاذیر من یاتیک معتذرا
ان بر عندک فیما قال او فجرا

ترجمہ: جو تمہارے ہاں معذرت کرے اسے معاف کر دے وہ سچی معذرت کر رہا ہے یا جھوٹی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اور اولیا کی آزمائش سخت تر ہوتی ہے اس میں سالک کو صبر اور تسلیم و رضا کو مد نظر رکھنا ضروری ہے

---

[1] اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ فضل الرحمٰن فی نسیان سید الانس والجان میں دیکھئے ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

قفل زقست وکشاید خدا
دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ: تالہ بند ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کھولتا ہے تمھارا کام ہے تسلیم و رضا

جناب خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

بجفا دوشدن از تو بناشد محمود
ہر کجا پائے ایاز ست سر محمود ست

ترجمہ: تجھے اپنے محبوب کی سختیوں سے اظہار غم نامناسب ہے اس لیے کہ جہاں یار کا قدم ہو تو وہاں عاشق کو سر پیش کرنا لازمی ہے

حکایت حضرت شیخ ابی عبداللہ بن خفیف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد میں پہنچا اس وقت مجھ پر صوفیت کا غلبہ تھا یعنی ارادات اور شدت مجاہدہ و ماسوی اللہ کے تصورات کی گشتگی غالب تھی یہاں تک کہ چالیس روز تک کھانا نہیں کھایا اور حضرت جنید قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری بھی نہ دی بغداد سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوا کئی دن سے پانی نہ پیا تھا اسی جنگل میں ایک کنواں دیکھا کہ اس سے ہرنی پانی پی رہی ہے اور پانی کنوئیں سے باہر نکل رہا ہے میں پیاس کے مارے کنوئیں کے قریب پہنچا تو ہرنی پانی سے سیر ہو کر روانہ ہو چکی تھی لیکن میں جونہی قریب پہنچا تو کنوئیں کا پانی بہت نیچے چلا گیا میں نے حیران ہو کر بارگاہ حق میں عرض کی کہ یا اللہ میرے سے اس ہرنی کی شان اونچی کیوں جواب ملا کہ وہ صرف میرے اوپر سہارا کر کے کنوئیں سے پانی پینے آئی تھی اور تو پانی پینے آیا تھا تو رسی اور بوکرے کر میں نے اپنی اس غلطی کا احساس کیا اور واپس لوٹا تو پھر کنواں پہلے کی طرح پر ہو گیا میں نے اپنا برتن پانی سے بھر لیا اور اسی سے پیا اور وضو کرتا رہا اور مدینہ طیبہ پہنچنے تک مجھے وہی پانی کام دیتا رہا ذرہ بھر بھی اس میں کمی نہ آئی جب میں حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو بغداد سے گزرا حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اگر تم صبر کرتے تو پانی تمھارے پاؤں سے چشمہ کی طرح ابلتا تیرے صبر کا جام لبریز ہو کر چھلک پڑا کاش تم تھوڑی سی دیر صبر کرتے۔

اے اللہ ہمیں اہل عنایت سے بنا (آمین)

تفسیر عالمانہ فَانْطَلَقَا یہ فا فصیحہ ہے الانطلاق بمعنے الذہاب یعنی چلنا یعنی جب موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے معذرت قبول فرمائی تو کشتی سے اتر کر چل پڑے حَتّٰی اِذَا لَقِیَا یہاں تک کہ ایک بستی کے باہر غُلٰماً ایک لڑکا ملا جو نہایت حسین و جمیل اور بلند قامت تھا حضرت خضر علیہ السلام اسے ایک دیوار کی اوٹ میں لے گئے فَقَتَلَهٗ اور اس نوجوان کو قتل کر دیا اس کا عطف لقیا پر ہے یعنی اس نوجوان کو ملنے کے بعد اسے خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا اس نوجوان کا نام جیسور تھا بالجیم یا حیسور بالحاء یا حیتون تھا۔ کذا فی قال السہیلی۔

الجوبہ: حضرت خضر علیہ السلام نے اس نوجوان کو کسی چاقو یا چھرے وغیرہ سے قتل نہیں کیا بلکہ صرف تین انگلیوں سے بہام زانگوٹھے اور سبابہ یعنی شہادت کی انگلی اور وسطی یعنی درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا تو نوجوان کا سر جسم سے علیحدہ ہو گیا۔ کذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

حدیث شریف خضر و موسیٰ علیہ السلام کشتی سے نکل کر دریا کے کنارے پر چل پڑے راستے میں ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اسے خضر علیہ السلام نے سر سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا۔ (کذا فی الصحیحین بروایت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا یہ شرط مذکور کی جزا ہے **اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً** آپ نے ایسے بچے کو قتل کیا ہے جو گناہوں سے پاک ہے اس لیے یہ ابھی غیر بالغ ہے اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے زکیۃً سے گناہوں سے پاک مراد لیا ہے

ف : ابن کثیر و نافع و ابو عمرو نے ذاکیہ پڑھا باقی تمام قراء نے اسے زکیۃ بروزن فعیلہ پڑھا ہے اس سے اس کی پاکی اور طہارت میں مبالغہ مراد ہے

ف : ابو عمرو نے فرمایا کہ زاکیۃ وہ جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو اور زکیۃ وہ جس نے گناہ کر کے توبہ کر لی ہو۔ **بِغَيْرِ نَفْسٍ** یعنی اس بچے کو کسی تقاص میں بھی نہیں قتل کیا گیا۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیوں فرمایا اس لیے کہ چھوٹے بچوں سے قصاص نہیں لیا جاتا؟

جواب ۱ : وہ اتنا چھوٹا نہیں تھا بلکہ وہ بالغ تھا لیکن چونکہ نئی جوانی چڑھا تھا اسی لیے اسے غلام سے تعبیر کیا گیا۔

جواب ۲ : مسائل شرعیہ میں امم میں اختلاف رہا ہے ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں غیر بالغوں سے قصاص لیا جاتا ہے بس جواب نمبر دو کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے کتاب المعرفت میں درج فرمایا کہ صرف بالغوں سے احکام کا تعلق ہجرت نبویہ کے بعد ہوا۔

ف : شیخ تقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بلوغ سے احکام کا تعلق غزوۂ احد کے بعد ہوا۔

خارجیوں کا رد اسی قانون کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام قابلِ قبول ہے باوجودیکہ اجماعِ امت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسلام قبول فرمایا تو اس وقت آپ بالغ نہیں تھے چنانچہ آپ سے ایک شعر منقول ہے

سبقتکم الی الاسلام طرا
صغیرا ما بلغت اوان حلمی

ترجمہ : میں نے تم سب میں سے اسلام میں سبقت کی درانحالیکہ اس وقت میں بچہ تھا یعنی بلوغ کو نہیں پہنچا تھا

ف : اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اس سے ثابت ہوا قبل از ہجرت چھوٹے بچے بھی احکام و عقائد اسلام کے مکلف تھے اس لیے کہ احکام شرعیہ سے بچوں کو خیبر کے بعد مرفوع القلم بنایا گیا۔

سوال : اس غلام کے لیے زکیۃ کی قید کا کیا فائدہ؟

جواب : چونکہ نوجوان جب جوانی چڑھتا ہے تو گناہوں کی طرف طبعاً زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔

حدیث شریف: جس غلام کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ طبعاً فطرۃً ہی کافر پیدا کیا گیا تھا۔

سوال ۱: یہ حدیث شریف دوسری حدیث شریف مشہور کے خلاف ہے وہ کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے

جواب ۱: فطرت سے مراد یہ ہے کہ ہر نومولود بچے میں اسلام کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور ایسے بچے میں فطری کفر کا ہونا استعداد کے منافی نہیں۔

جواب ۲: فطرت سے مراد الست بربکم کا ابتدائی قول مراد ہے؛

سوال: نوومی نے فرمایا کہ مذکورہ بالا جوابات صحیح نہیں اس لیے کہ اس بچے کے والدین مومن تھے اس معنی پر اس بچے کا مومن ہونا بھی لازمی امر ہے۔

جواب: اس کا یوں جواب دیا جائے کہ اگر وہ بچہ سن بلوغ کو پہنچتا تو لازماً کافر ہوتا۔ (واللہ علم)

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا آپ نے خضر علیہ السلام آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جسے شرعاً کسی طریق سے بھی جائز نہیں کہا جا سکتا یہ فعل تو پہلے فعل یعنی کشتی کے توڑنے سے بھی زیادہ بُرا ہے اس لیے کہ کشتی کے توڑنے کے بعد تو جوڑنا ممکن ہے لیکن اس بچے کو قتل کرنے کے بعد بظاہر ناممکن ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلا فعل یعنی کشتی کا توڑنا اس بچے کے قتل کرنے سے زیادہ بُرا تھا اس لیے کہ یہاں تو صرف ایک بچے کو قتل کیا گیا وہاں تو کشتی کے غرق ہونے پر تمام کشتی والوں کے مرجانے کا خطرہ تھا۔ (لیکن یہ قول غیر معتبر ہے اس کا غیر معتبر ہونا ظاہر ہے)

ف: بعض حفاظ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا نصف اسی جملہ لقد جئت شیا نکرا پر ختم ہوا آج کل اسی پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ بحمدللہ فقیر اویسی غفرلہٗ کو یہاں تک تفسیر کے ترجمہ کی توفیق نصیب ہوئی یعنی ہفتہ کی شب قبل نماز عشاء ۲۷ ذیقعد ۱۳۹۶ھ کو اس پارہ نمبر ۱۵ کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی۔ والحمد للہ علی ذالک۔

والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الاعلیٰ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ دارالتصنیف جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان۔ ۲۷-۱۱-۹۶ھ

فہرست مضامین پارہ نمبر16

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اَلَمْ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ

کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے کہا اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں

بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ

تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا بے شک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک

اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ

گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے اس گاؤں

اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۚ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ

میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے کہا یہ میری اور

بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ

آپ کی جدائی ہے اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر بتاؤں گا جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا وہ جو کشتی تھی وہ کچھ

فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ

محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا

يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا

کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو

أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً

سرکشی اور کفر چڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور اس

وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ

سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا

تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا

خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا

اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا یہ پھیر ہے ان

لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

باتوں کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا

تفسیر عالمانہ

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا، اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں گزار سکیں گے۔ یہ خضر علیہ السلام کا موسے علیہ السلام کو زجر و توبیخ ہے کہ آپ میری وصیت کو اور اپنے وعدہ کو بھول گئے لفظ لك کے اضافہ میں عتاب فرمایا کہ بار بار بھولنے کا کیا معنے؟۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا؛ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ اب کے بعد اگر آپ سے ایسے افعال غیر پسندیدہ کا صدور ہو اور میں سوال کروں گا تو مجھے اپنی رفاقت میں نہ رکھنا۔ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ آپ نے مجھ سے کوئی عذر پایا۔ میں آپ کی تین بار مخالفت کر چکا ہوں فلہذا مجھے ترک صحبت میں معذور تصور فرمائیں۔

حل لغات : العذر (بفتحتین والسکون) انسان کا اپنی غلطیوں کے اقرار کی کوشش کرنا مثلاً کہنا کہ میں نے سرے سے یہ کام کیا ہی نہیں یا کہے کہ میں نے یہ کام کیا لیکن اس میں فلاں مصلحت تھی یا کہے اب تو مجھ سے غلطی ہو گئی لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

حضرت موسے علیہ السلام کا تیسری بار صرف معذرت نہیں بلکہ توبہ فرمائی اس لئے کہ ہر توبہ معذرت ہے لیکن ہر معذرت توبہ نہیں (الاعتذار) سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی غلطی کا اثر زائل ہو جائے دراصل الاعتذار

بمعنے القطع ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

اعتذرت الیہ ای قطعت مافی قلبہ من الموجدۃ (میرے متعلق جو فلاں کے دل میں کچھ احساس تھا اسے میں نے مٹا دیا۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے موسےٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ حیاء کے پیش نظر ایسے فرما دیا ورنہ اگر وہ کچھ دیر صبر فرما کر خضر علیہ السلام کے ساتھ رہتے تو بڑے بڑے عجائبات دیکھتے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات صوریہ و معنویہ ہیں الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم شریعت و حقیقت کے جمیع کمالات کے جامع ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ان دونوں میں کسی ایک کا جامع بنایا گیا جیسا کہ موسےٰ و خضر علیہما السلام کے قصے سے ظاہر ہے اس لئے کہ شریعت سے احکام ظاہری اور حقیقت سے احکام باطنی مراد ہیں اور تمام علماء کرام نے واضح طور پر فرمایا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ نے ظاہری احکام کی اشاعت کے لئے مبعوث فرمایا انہیں باطنی امور سے بظاہر واسطہ اور تعلق نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان کے حقائق کی اطلاع کے درپے رہتے تھے (البتہ بطون اور ان کے حقائق کے معلومات ہوتے تھے وہ انہیں ظاہر کرنے پر مامور نہیں تھے) اسی لئے موسےٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے باطنی امر کے اظہار پر انکار فرمایا بلکہ جب خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کیا تو انہیں برملا کہا کہ لقد جئت شیأ نکرا۔ خضر علیہ السلام نے انہیں جواباً فرمایا: وما فعلتہ عن امری۔ (اور میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کیا) پہلے ہم نے موسےٰ علیہ السلام کا مکالمہ درج کیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے موسےٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے ہاں ایسا علم ہے جس کے اظہار کا حکم نہیں اور نہ ہی آپ اس پر عمل کر سکتے ہیں اور آپ کے ہاں ایسا علم ہے جس کے عمل کا میں نہ مامور ہوں اور نہ ہی اس کے عمل کا پابند ہوں۔

خضر علیہ السلام کا باطنی علم[1] تفسیر ابن حبان میں ہے کہ جمہور امت کا اتفاق ہے کہ خضر علیہ السلام نبی تھے۔ اور ان پر بواطن امور کی وحی نازل ہوتی تھی اور وہ انہی علوم بواطن کے عارف تھے اور اسی پر عمل کرنے پر مامور تھے اور موسےٰ علیہ السلام امور ظاہرہ پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم امور ظواہر کے بھی جامع تھے اور امور[2] بواطن کے بھی اگرچہ آپ کا اکثر عمل ظاہر پر ہوتا تھا اور امور باطن پر بھی عمل کر لیتے

---

[1]: ایسے باطنی علوم کے وہابی اور اکثر دیوبندی اور مودودی اور خاکساری اور دیگر پارٹیاں منکر ہیں۔ ۱۲ (اویسی)

[2]: (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

تھے جیسے آپ نے ایک سارق (چور) کو قتل کرادیا اور ایک[1] باطن کے مریض اور بظاہر نمازی کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جب اس کے دل پر دیکھا کہ اس کا دل بغض نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لبریز ہے اگرچہ بظاہر شرعاً ان دونوں کو قتل کرنا جائز نہ تھا لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطن کی خباثتوں کے پیش نظر ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[2] : دیوبندی وہابی اور سنی (بریلوی) اختلاف کا موجب اصلی یہی امر ہے۔ اہلسنت اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے باطنی کمالات کے جامع ہونے کے نہ صرف قائل بلکہ آپ کے ایسے امور کے اثبات میں بھرپور دلائل قائم کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے کمالات کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ ایسے کمالات باطنیہ کے قائل کو کافر و مشرک کہتے ہیں۔ اس حقیقت سے عوام کو بے بہرہ رکھ کر نزاعی مسائل کھڑے کرادیئے۔ اہل اسلام خود انصاف فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟۔

(حاشیہ صفحہ ھذا)

[1] : یہی ہمارے دور کے وہابیوں، دیوبندیوں اور تبلیغیوں کے معنوی اجداد سے ایک تھا۔ پہلے اس کا قصہ ملاحظہ ہو:

صاحب ابریز نے اپنی کتاب میں نقل کیا:

عن انس قال کان فینا شاب ذو عبادة و زھد و اجتھاد فسماہ لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یعرفہ ووصفناہ بصفتہ فلم یعرفہ فبینما نحن کذالک اذا قبل فقلنا یا رسول اللہ ھو ھذا فقال انی لاریٰ علی وجھہ سعفة من الشیطان فجاء فسلم فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلت فی نفسک ان لیس فی القوم خیر منک فقال اللھم نعم ثم ولّی فدخل المسجد فقال رسول اللہ صلی اللہ وسلم من یقتل الرجل فقال ابوبکر انا فدخل فاذا ھو قائم یصلی فقال ابوبکر کیف اقتل رجلاً

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینے میں ایک بڑا ہی عابد و زاہد نوجوان تھا ہم نے ایک دن حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور اسے نہیں جان سکے پھر اس کے حالات واوصاف بیان کئے جب بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسے نہیں پہچان سکے یہاں تک کہ ایک دن وہ اچانک سامنے آگیا جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہم نے حضورؐ کو خبر دی کہ یہ وہی نوجوان ہے۔ حضورؐ نے اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا میں اس کے چہرے پر شیطان کے دھبے دیکھتا ہوں پھر وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اور سلام کیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ تجھ سے بہتر یہاں کوئی نہیں ہے؟

اجوبہ : جو لوگ فجاۃ (اچانک) موت مرتے ہیں دراصل انہیں خضر علیہ السلام قتل کر دیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

وھو یصلی وقد نھانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قتل المصلین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل الرجل فقال عمر انا یا رسول اللہ فدخل المسجد فاذا ھو ساجد فقال مثل ما قال ابوبکر واراد لا رجعن فقد رجع من ھو خیر منی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہ یا عمر فذکر لہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل الرجل فقال علی انا فقال انت تقتلوا ان رجدتہ فدخل المسجد فوجدہ قد خرج فقال اما واللہ لو قتلہ لکان اولھم و اخرھم ولما اختلفا فی امتی اثنان اخرجہ ابن ابی شیبہ۔

(۱) ابریز شریف ص ۲۴۴

(۲) حجۃ اللہ علی العالمین ص ۵۵۵

(۳) خصائص کبریٰ، جلد ۲، ص ۱۳۷

(۴) فتح الباری، جلد ۱۳، ص ۲۶۴

اس نے جواب دیا ہاں، اس کے بعد جیسے ہی وہ مسجد کے اندر داخل ہوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ صرف ابو بکرؓ نے جواب دیا میں۔ جب اس ارادے سے وہ مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا دیکھا تو واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کروں جب کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کے قتل سے منع فرمایا ہے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی نے جواب دیا، میں! وہ مسجد کے اندر گئے تو اس وقت نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا۔ وہ بھی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر، حضرت ابو بکر کی طرف لوٹ آئے۔ پھر حضورؐ نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا؛ میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے ضرور قتل کر دو گے بشرطیکہ وہ تمہیں مل جائے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہ جا چکا تھا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم اُسے قتل کر دیتے تو میری امت کے جملہ فتنہ پردازوں میں سے یہ پہلا اور آخری شخص ثابت ہوتا۔ اور میری امت کے دو فرد بھی آپس میں کبھی نہ لڑتے۔

ف : واقعہ مذکورہ پر غور کیجئے کہ شخص مذکور شرعی احکام کا کتنا بڑا پابند تھا لیکن حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم اور آپ کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال: خضر علیہ السلام اگر نبی ہیں تو انھیں کیا حق ہے کہ وہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں احکام کا اجراء فرمائیں؟

جواب: ان کا یہ فعل ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی حیثیت سے ہے یعنے وہ اس دنیا میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے زندہ موجود ہیں جیسے عیسےٰ علیہ السلام جب دوبارہ اس عالم میں تشریف لائیں گے تو وہ احکام شرعیہ کا اجرا فرمائیں گے تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور آپ کے امتی ہونے کی حیثیت سے نہ بحیثیت نبی و رسول ہونے کے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

عشق و پیار سے یکسر خالی تھا۔ اسی لئے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو بار بار متوجہ کرنے کے باوجود آپ نے اس کی جان پہچان سے انکار فرما دیا۔ اگرچہ باطنی طور پر آپ اس کے حالات سے پوری طرح واقف تھے چنانچہ جب وہ شخص حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: انی لاری علی وجھہ سفعۃ من الشیطان یعنی میں اس کے چہرے پر شیطانی دھبے دیکھتا ہوں اور اسے مخاطب ہو کر اس کے اندرونی مرض (بغض و دشمنی نبوت) کا پتہ بھی دے دیا۔ چنانچہ اس کے ساتھ خطاب کے الفاظ مبارک یہ ہیں کہ اجعلت فی نفسك ان لیس فی القوم خیر منك فقال اللھم نعم یعنے کیا تو نے ابھی دل میں یہی سوچا کہ تجھ سے بہتر و برتر کوئی نہیں۔ اس کے منہ سے نکلا ہاں، یہی خیال تھا۔

(۲) غور فرمائیں کہ ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کتنی ہے کہ نہ ہر بندے کے حالات سے باخبر ہیں بلکہ آپ ہر ایک کے اندرونی معاملات کو بھی خوب جانتے تھے اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "علم غیب" میں ہے۔

(۳) پھر غور کیجئے کہ اس شخص کے اتنا بہت بڑے زہد و تقویٰ کے باوجود رحمۃ للعلمین امت کے غم میں ساری رات رونے والے کریم، رحیم اور شفیق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار اور وہ بھی جلیل القدر صحابہ اور خلفائے راشدین جیسی شخصیات کو پھر جب وہ قتل نہ ہو سکا تو افسوس فرماتے ہوئے فرمایا: اما واللہ لو قتلتہ لکان اولھم واخرھم ولما اختلفا امتی اثنان یعنے اگر وہ قتل کیا جاتا تو گویا فی سبیل اللہ فساد کا یہی پہلا اور آخری مقتول ہوتا اور تاقیامت مذہبی جھگڑا اور اختلاف بھی دنیا سے اٹھ جاتا۔

(۴) ثابت ہوا کہ یہ جھگڑے اور فسادات مثلاً کبھی سنی شیعہ فساد اور کبھی گیارہویں، عرس حرام اور کبھی میلاد و جلوس بارہ ربیع الاول شریف کے عدم جواز پر لڑائی غرضیکہ گھر گھر میں شرارتیں برپا کرنا اسی نیک انسان لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن کی معنوی اولاد سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اجوبہ: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے دورِ زندگی (ظاہرہ) میں عیسٰے علیہ السلام نے بیت المقدس میں آپ کی زیارت کی تو اسی عالم دنیا کی زندگی کی حیثیت سے اس معنے پر عیسٰے علیہ السلام کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جا سکتا ہے (کذا فی انسان العیون)

ف: اس اجماعیت سے صرف عیسٰے علیہ السلام کی صحابیت کے اثبات کی تخصیص کا کیا معنے جس حیثیت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسے ہی ادریس، الیاس، خضر علیہم السلام کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اسی لئے یوں کہا جائے کہ یہ حضرات بھی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

رد وہابی دیوبندی، نجدی اس سے اپنے نبی پاک شہ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شرافت کا اندازہ لگائیے کہ آپ کے اُمتی بننے کے لئے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبران عظام علیہم السلام نے اللہ تعالٰے سے مہلت مانگی۔ (پھر ہم اہلسنت کیوں نہ کہیں):

سرخیل انبیاء و سپہ دار اتقیاء
سلطان بارگاہ دنٰی قائد امم

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار اور تمام اتقیاء کے سپہ سالار اور بارگاہِ دنٰی کے سلطان جمیع امتوں کے قائد ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فَانْطَلَقَا دوبارہ مشروط صحبت کے بعد دونوں چلے **حَتّٰٓی اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةٍ** یہاں تک کہ ایک گاؤں میں تشریف لائے۔ اس بستی سے انطاکیہ (بالفتح والکسر وسکون النون وکسر الکاف وفتح الیاء المخففۃ) یہ ایک بہت بڑا

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

ف: ہم نے اس شخص کو وہابیوں، نجدیوں، تبلیغیوں اور دیوبندیوں کا معنوی دادا اس لئے کہا کہ حدیث شریف میں اس کی اولادِ معنوی کی پیشگوئی فرمائی گئی ہے۔ اور پھر ان کی مفصل نشانیاں بھی بتائی گئی ہیں۔ جو سب کی سب ان لوگوں پر فٹ آئی ہیں۔ اگر آپ اس کی تفصیل چاہتے ہیں تو میری تصنیف "وہابی دیوبندی کی نشانی" اور "تبلیغی جماعت کے کارنامے" پڑھئے۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

لے: اس میں مرزائی ٹولہ کے غلط تصورات کا رد ہے کہ وہ عیسٰے علیہ السلام کو مردہ خیال کرتے ہیں حالانکہ اسلاف صالحین کا عقیدہ ہے کہ وہ تاحال زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں بنفس نفیس تشریف لائیں گے۔ مزید فقیر کا رسالہ "القول الفصیح" دیکھئے۔

(فقیر اویسی غفرلہٗ)

مضبوط شہر ہے جس کے بہترین پانی کے چشمے اور پتھروں کی بڑی عظیم دیواریں پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع ہیں جن کا گھیرا بارہ میل کا ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس شہر والوں کی عادت تھی کہ جب شام ہوتی تو شہر کے تمام دروازے بند کر دیتے۔ کوئی کتنا ہی پریشان حال کتنی ہی زاری کرتا کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولتے۔

جب یہ دونوں حضرات شام کو پہنچے تو شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ان حضرات نے جتنا دروازہ کھلوانے کی کوشش کی اور بار بار کہا کہ ہم دور کے مسافر ہیں دروازہ کیوں نہیں کھولتے ہو تو تم کم از کم کھانا ہی بھیج دو۔ چنانچہ فرمایا: اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا اس گاؤں والوں سے ان دونوں حضرات نے معافی کے طور پر کھانا مانگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے طعام مانگا نہیں تھا لیکن چونکہ بحیثیت مہمان کے تشریف لے گئے تھے۔ بنا بریں ان کا تشریف لانا بمنزلہ طعام مانگنے کے تھا۔

سوال: یہاں موسیٰ علیہ السلام نے طعام مانگا تو انھیں طعام نہ ملا اور شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں سے بے مانگے طعام مل گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا واقعہ یوں لکھا ہے: ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا (ہمارا باپ پانی بھرنے کی مزدوری دینے کے لئے آپ کو بلا رہا ہے۔ ان دونوں قصوں میں فرق کیوں؟

جواب: خضر علیہ السلام کی رفاقت میں موسیٰ علیہ السلام نے مخلوق پر سہارا کر کے طعام کا سوال کیا تو آپ کو طعام نہ دیا گیا تاکہ نصیحت ہو کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے علم پر سہارا ضروری ہے اور یہاں شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا، مخلوق میں کسی کو درمیان میں واسطہ نہ بنایا بلکہ بارگاہ حق میں تسلیم و رضا کے گھٹنے ٹیک دیئے، کما قال:

انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ: فقیر و عاجز ہو کر تیری درگاہ میں رحم و کرم کی درخواست کرتا ہوں اس لئے کہ تیری بارگاہ میں سوائے عاجزی اور دست بدعا ہونے کے اور کوئی بہتر دستاویز نہیں ہے۔

نیز فرمایا: ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با پادشہ بگوی کہ روزی مقدر ست

ترجمہ: ہم فقر و قناعت کا دامن نہیں چھوڑ سکتے بادشہ کو کہہ دو کہ روزی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ترکیب: (استطعما) محلاً مجرور ہے اس لئے کہ یہ قریۃ کی صفت ہے۔

سوال: یہاں پر ھُو ضمیر کا ہونا ضروری تھا اسے کالعدم کر کے (استطعما) کو قریۃ کی صفت بنانے کا کیا فائدہ؟

جواب: اسی طرح سے بستی والوں کی زیادہ مذمت اور شناعت اور قباحت کا اظہار ہوگا کہ بستی والے چند ایک بدبخیل نہیں تھے بلکہ سارے کے سارے ایسے ہی تھے کہ طعام کھلانے میں قارون تھے۔

فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا ان سب نے موسیٰ وخضر علیہما السلام کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔

حل لغات: یہ ضَافَہٗ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں کوئی مہمان آئے اور ضیّفہ بمعنے انزلہ وجعلہ ضیفاً یعنے اس نے فلاں کی مہمانی کی، یہ اس کا حقیقی معنے ہے پھر طعام کھلانے میں مجازاً عام مستعمل ہونے لگا۔ دراصل ضیافت بمعنے میلان ہے مثلاً کہا جاتا ہے، ضاف بمعنے مال الیہ (وہ اس کی طرف مائل ہوا) ضاف السھم عن الغرض سے لیا گیا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب تیر نشانہ پر نہ لگے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اسی بستی والے بہت بڑے بدبخیل تھے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بزرگان مسافر بجان پرورند
کہ نام نکوئی بعالم برند
غریب آشنا باش وسیاح دوست
کہ سیاح جلاب نام نکوست
تبہ گردد آن مملکت عن قریب
کزو خاطر آزردہ گردد غریب
نکو دار ضعیف و مسافر عزیز
وز آسیب شان پر حذر باش نیز

ترجمہ: (۱) بزرگ مسافروں کی دل سے خدمت کرتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں نیک نامی پھیلاتے ہیں۔

(۲) غریب الوطن کی پہچان پیدا کیجئے اور سیاح کا دوست اس لئے بن کہ سیاح دنیا میں نیک نامی کی مشہوری کرتا ہے۔

(۳) وہ شاہی عنقریب تباہ و برباد ہوگی جس سے مسافر دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔

(۴) مہمان کا دل خوش کیجئے اور مسافر کو جان سے زیادہ پیارا رکھئے ان کے خطرات سے پرحذر رہئے۔

حکایت عجیب بروایت حدیث الحبیب صلے اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس بستی انطاکیہ والے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سونے کا ڈھیر لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ اسی آیت کا سودہ کیجئے وہ یہ کہ: فابوا ان یضیفوھما کے بجائے "فاتوا ان یضیفوھما" بار کی بجائے "تا" لکھ دیں صرف نیچے اوپر اور ایک نکتے کا فرق ہے تاکہ ہمارے آبا و اجداد سے بدبختی کا سیاہ داغ مٹ جائے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما کر فرمایا کہ ایسی تبدیلی سے اللہ تعالے پر جھوٹ کا الزام آئے گا اور اس کی الوہیت پر سیہ دھبہ لگانا نبوت کا کام نہیں۔

(کذا فی التفسیر الکبیر)

فَوَجَدَا فِيهَا ۔ کاشفی نے لکھا کہ یہ دونوں رات کو شہر کے باہر بھوکے پیاسے رہ کر صبح کو دروازہ کھلتے ہی شہر میں تشریف لے گئے تو وہاں پایا۔ **جِدَارًا** ایک دیوار کو جس کا ایک طرف جھکا ہوا تھا اور گرنے والی تھی۔ **يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ** ارادہ بمعنے نزوع النفس الی شیء مع حکمۃ فیہ بالفعل او عدمہ۔ کسی شے کے فعل و عدم فعل کے حکم کے لئے نفس کا رجوع اور اللہ تعالے کے لئے ارادہ بمعنے حکم مستعمل ہوتا ہے۔

سوال: دیوار ایک بے جان شے ہے اس کے ارادہ کا کیا معنے؟

جواب: اہل عرب کا دستور ہے کہ وہ مجازات کو بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ارادۂ دیوار بھی اسی مجاز کے قبیل سے ہے یعنے ارادہ بمعنے قرب و دنی من السقوط ہے یعنے وہ دیوار گرنے کے قریب تھی شلاً اہل عرب کہتے ہیں: داری تنظر الی دار فلان میری دار فلان کی دار کو دیکھتی ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میرا مکان فلان کے مکان کے بالمقابل ہے۔ اسی لئے الارشاد میں لکھا ہے:

یرید ان ینقض کا معنے یدانی ان یسقط ہے۔

اس سے دیوار کے بہت جلد گرنے کے لئے مبالغہ کے ارادہ پر یرید استعمال کیا گیا ہے۔ الانقضاض بمعنے الاسراع فی السقوط یعنے گرنے میں جلدی کرنا۔ یہ انقض باب انفعال ہے مثلاً کہا جاتا ہے: قضضتہ فانقض۔ یعنے میں نے اسے توڑا تو وہ ٹوٹ گیا۔ اسی محاورہ سے ہے انقضاض الطیر والکواکب۔ جب پرندے بہت جلد گرتے ہیں تو اس وقت ان کے لئے یہی الفاظ بولتے ہیں۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ اِنْقَضَّ سے ہے جیسے الاحمرار، الحمرۃ سے ہے۔ گویا ان کے نزدیک یہ انفعال کا باب نہیں بلکہ افعلال کا باب ہے۔

فَأَقَامَهُ تو خضر علیہ السلام نے ہاتھوں کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا۔ (کذا المروی عن النبی علیہ السلام)۔

ف: اس دیوار کا طول آسمان کی طرف ایک سو گز تھا۔

قَالَ چونکہ طعام کی انھیں شدید ضرورت تھی اسی لئے موسےٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ موسےٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم ان کے پاس آئے انھوں نے نہ بیٹھنے کی جگہ دی اور نہ ہی طعام کھلایا کتنے بے مروت ہیں لیکن آپ نے ان کی دیوار سیدھی فرما دی۔ یہ جزا اس شرط کی ہے جو کہ فرمایا۔

لَوْشِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○ اگر آپ ان سے دیوار کے سیدھے کرنے پر کچھ پیسے لے لیتے تو ہم اس سے طعام خریدتے۔

حل لغات: اتخذت از اتخاذ افتعال کا باب ہے ہمچوں اتبع یہ اخذ سے نہیں، یہی بصریوں کا مذہب ہے۔

راز و رموز کی باتیں موسےٰ علیہ السلام نے جب خضر علیہ السلام سے فرمایا: لتغرق اهلها۔ تو خضر علیہ السلام نے موسےٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جب دریا میں تھے تو آپ غرق نہ ہوئے تو اب کشتی میں کیسے غرق ہو سکتے ہیں۔ پھر جب موسےٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا: اقتلت نفسا زكية بغير نفس۔ تو خضر علیہ السلام کہ آپ نے بھی ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اور وہ بھی بے چارہ بے گناہ تھا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا: لو شئت لتخذت عليه اجرا۔ تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی بات بھول گئے جب کہ شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کو پانی بھر کر دیا تھا اور اس پر آپ نے کتنی مزدوری لی تھی۔ یہ عجیب اور لطیف باتیں راز و نیاز کی تھیں جو استاذ و شاگرد اور پیر و مرید کے درمیان ہوئیں۔

عجیب کہانی جناب قاسم نے کہا کہ جب موسےٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک کچے گوشت کی ہرنی موسےٰ علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی اور دوسری بھنی ہوئی ہرنی خضر علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی حالانکہ بھوکے تو دونوں ہی تھے لیکن اس میں اشارہ تھا کہ خضر علیہ السلام طمع کے بغیر کام کر رہے ہیں تو جو طمع کے بغیر کام کرے اسے مقصد حاصل ہوتا ہے اور موسےٰ علیہ السلام چونکہ خضر علیہ السلام کو طمع و لالچ کی بات بتا رہے تھے۔ اسی لئے انھیں کھانے کی چیز سے خالی رکھا گیا۔

مسئلہ روحانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نیکی کے کام میں کسی قسم کا طمع ہو تو وہ عمل ضائع جاتا ہے جیسے موسےٰ علیہ السلام کے حال ہوا کہ جب انھوں نے ذرا سا طمع سامنے رکھا تو حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی ہو گئی۔

طمع و لالچ کی مذمت حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب طمع و لالچ کسی دل پر اثر انداز ہو تو امور باطنہ کے دیکھنے سے وہ دل اندھا ہو جاتا ہے۔

سوال: موسےٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو دیوار سیدھی کرنے کی مزدوری کا مطالبہ کیوں کیا حالانکہ اس دیوار کو سیدھے کرنے پر موسےٰ علیہ السلام نے کوئی کام نہیں کیا بلکہ صرف اشارہ فرمایا تو دیوار سیدھی ہو گئی اس پر انھیں کوئی تکلیف تو نہیں

ہوئی تھی ؟

جواب ؛ موسٰے علیہ السلام نے دیوار کے بنانے کے اسباب کی وجہ سے سوال نہیں کیا بلکہ آپ نے دیوار والوں کو دیوار سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے کہا اور ایسے طریق سے بھی اجرت کی طلب جائز ہے ۔ ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر بچھو کے ڈنسے آدمی پردم کیا تو اسے آرام آگیا ۔ اس سے اس صحابی نے اجرت مانگی ۔ اس طرح کے اور واقعات بھی احادیث میں موجود ہیں[لہ]

سوال ؛ تم کہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام دعوت وارشاد پر مزدوری اور اجر طلب نہیں کرتے لیکن یہاں موسٰے علیہ السلام نے مزدوری مانگ لی ؟

جواب ؛ یہ طلب اجرت دعوت وارشاد کی وجہ سے نہیں تھی جیسا کہ قصہ کا قرینہ خود بتاتا ہے ۔

قَالَ ، خضر علیہ السلام نے فرمایا ؛ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ابھی میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ تیسرا اعتراض اس جدائی کا سبب بنا ۔ اس کے بعد موسٰے علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے وعدہ کیا ۔

(فلا تصاحبنی) بین کی طرف فراق کی اضافت "اضافۃ المصدر الی الظرف کے قبیل سے ہے اور یہ ظرف میں اتساع کی وجہ سے جائز ہے ۔

سَاُنَبِّئُكَ ابھی میں آپ کو خبر دوں گا ۔ یہ "سین " تراخی کا نہیں بلکہ تاکید کا ہے اس لئے کہ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے فوراً بلا تاخیر تمام باتیں بتادیں ۔ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ انجام ان امور کا جن میں آپ صبر نہ کر سکے ۔

حل لغات التاویل ۔ رجع الشی الی مالہ ۔ شے کا اپنے مال کی طرف لوٹنے کا نام تاویل ہے یہاں پر صرف مآل و عاقبت مراد ہے ۔ اس لئے کہ یہاں مصدری معنٰے نہیں بن سکتا ۔ اور ان امور کا انجام یہ تھا :

① کشتی ظالموں سے بچ جائے گی ۔
② نوجوان کو قتل کیا گیا تاکہ اس کے والدین اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں ۔
③ دیوار کو سیدھا کرنے سے یتامیٰ اپنے خزانے کو پالیں گے ۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاش ؛ حضرت موسٰے علیہ السلام صبر فرماتے تو خضر علیہ السلام کی باتیں ہمیں بتائی جاتیں ۔ یاد رہے کہ اس بتانے سے مراد قرآن میں نزول وحی سے مندرج ہو جاتیں ۔ ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

لہ ؛ غیر مقلدین نجدی ایسے دم درود کو شرک کہتے ہیں ۔ افسوس کہ ایک طرف احادیث پر عمل کرنے کے مدعی ہیں تو دوسری طرف منکر ہیں منکرین حدیث کا گروہ ان کی اس غلط پالیسی سے پیدا ہوا ۔ ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

کو وحی خفی کے ذریعے بتائی گئیں تھیں تو ہم نے ان کی اوپر تفسیر لکھی ہے۔ اگر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوتا تو یہیں کیسے معلوم ہوتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیخ اپنے مرید سے یا استاذ اپنے شاگرد سے غلطی محسوس کرے تو اسے جلدی سے اپنے آپ سے جدا نہ کرے جب تک کہ اس سے تین بار غلطی نہ ہو۔ اس کی دو بار کی غلطیوں سے چشم پوشی کرے۔ تیسری بار جب اسے غلطی میں معذور پائے تو اسے خضر علیہ السلام کی طرح کہہ دے: ھٰذا فراق بینی و بینک[1] - نیز پیر و مرشد اپنے مرید سے اور استاذ اپنے شاگرد سے جدائی کے وقت پہلے ان اعتراضات کے جوابات دے (جن امور سے جدائی ہو رہی ہے) اس کی علت اور موجب بتائے تاکہ مرید اور شاگرد کے دل میں شکوک و شبہات نہ رہیں جن کی وجہ سے اس کا خاتمہ برباد جائے (معاذ اللہ)

استاذ کی بددعا فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ استاذ کے نالائق شاگرد کا انجام کیسے برباد ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نامراد کو کہو کہ تو اللہ تعالیٰ کی عین عنایت سے محروم ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد اسے ہیجڑوں میں دیکھا گیا پھر اس نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

استاذ کی شفقت کا نتیجہ جیسے استاذ کی بددعا سے انجام بد ہوتا ہے ایسے ہی اس کی شفقت سے بیڑا پار ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہٗ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ اپنے آپ کو جلتے ہوئے

---

[1] ۔ فقیر نے اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف لکھی ہے۔ بعنوانِ "البحث اللذیذ فی حقوق الاستاذ علی التلمیذ" چند امور اس مقام پر عرض کئے دیتا ہوں ممکن ہے کہ کسی بندۂ خدا کو اس سے فائدہ نصیب ہو۔ ورنہ عموماً آج کل شاگرد اپنے اساتذہ کو اپنے عام دوست جیسا بھی تصور نہیں کرتے۔ مجھے ایک صاحب کے قول پر تعجب ہوا جب ہم نے اسے اس کے استاذ صاحب کی تعظیم و تکریم کی تلقین کی تو کہا کہ دورِ حاضر میں ہمیں عزتِ نفس ضروری ہے۔ اگر ہم اساتذہ کی عوام کے سامنے تعظیم کرتے ہیں تو ہماری عزت عوام کی نظروں میں گر جاتی ہے۔ میں نے اسے عرض کیا کہ آپ نے بے غوری میں فرمایا ہے کیونکہ یہی عزت جس کے صدقے ملی ہے اگر اب بھی ان پر اسی عزت کو قربان کر دیں تو دارین میں کئی گنا اور عزت نصیب ملے گی اگر آپ اسی نظریہ پر مر گئے تو جہنم ہوگی اور یہی عزت ذلت سے بدل جائے گی۔

ذیل کا مضمون علیحدہ مختصر طور پر پمفلٹ میں چھاپ دیا جائے تو بھی۔

استاذ کے حقوق

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تنور میں ڈال دیجئے۔ چنانچہ شاگرد نے فوراً آگ میں چھلانگ لگادی تو وہ آگ کا تنور اس پر باغ بہار بن گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

امابعد، آج اساتذہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا حالانکہ اہلِ علم کو یہ عزت ان کے صدقے ملی ہے۔ اس کا حق ادا کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ فقیر احادیث مبارکہ سے چند باتیں عرض کرتا ہے۔

فرمانِ رسالت: (۱) ابوداؤد میں مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے مسلمان اور عالم، حافظ قرآن، بادشاہِ عادل اور استاذ کی عزت و احترام تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ایک بار زید بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ گھوڑے پر سوار مدینہ منورہ جا رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رکاب پکڑے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا برتاؤ کیوں کر رہے ہیں۔ فرمایا:

هٰكذا اُمِرْنَا

فرمانِ مرتضویؓ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے:

من علمنی حرفا فھو مولای۔ جس نے مجھے علم دین کا ایک حرف سکھایا میں اس کا غلام اور وہ میرا آقا ہے چاہے مجھے بیچ دے یا اپنے پاس رکھے خواہ آزاد کرے۔

قرآن اور حدیث کے سیکھنے کا نام "علم دین" ہے۔ دنیوی فن اپنی جگہ کتنا ضروری ہے وہ بہر حال روزی کمانے کا دھندا ہے۔ پیشہ ور کاری گر، انجینئر، ملازم اور عہدہ دار اپنے کسب اور فرائض کی ادائیگی کرکے روزی کماتا ہے۔ یہ سب کام موت کے ساتھ ختم ہوجاتے ہیں۔ قبر سے آگے کوئی چیز سوائے علم دین کے نہیں جاتی۔ علم دین ہی ایک ایسی چیز ہے جو قبر، حشر اور جنت میں ہمیشہ ساتھ رہے گا۔

اعلیٰ دولت علمِ دین یا دنیوی مراتب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ دولت کا مقام بلند ہے یا علمِ دین کا؟ آپ نے فرمایا کہ علم دین کے مقابل دولت کوئی چیز نہیں۔

(۱) جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو۔ اس کے دشمن بہت زیادہ ہوتے ہیں جتنی دولت بڑھے گی اتنے ہی دشمن بڑھیں گے لیکن جس کے پاس جتنا زیادہ علم دین ہوگا اس کے دوست بھی اسی قدر کثرت سے ہوں گے۔

(۲) دولت کی حفاظت دولت مند کو خود کرنی پڑتی ہے لیکن علم دین "اہل علم" کا محافظ ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جرعہ بر خاک وفا آں کس کہ ریخت
کے تواند صید دولت زو گریخت

جس نے وفا کا دامن تھام لیا اس سے دولت کا شکار کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۳ دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جتنا زیادہ پڑھاؤ گے اتنا ہی اس میں اضافہ ہوگا۔

۴ دولت کا ہونا فخر کی بات نہیں کہ یہ فرعون و نمرود کی میراث ہے اور علم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔

۵ دولت عام طور پر انسان میں بغاوت اور سرکشی پیدا کرتی ہے اور علم دین انکساری اور تواضع سکھاتا ہے۔

۶ علم دین کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے تو بادشاہوں کے سر اہل علم کی چوکھٹ پر جھکتے ہیں ہم نے ہزاروں بادشاہوں اور بے شمار امیروں کو اہل علم کے سامنے جھکتے دیکھا۔ سرِ دست ایک واقعہ پڑھئے:

سلیمان بن عبدالملک، عطاء بن رباح کے حضور مورخین جانتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کیسا بارعب بادشاہ تھا اس کی سلطنت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور اپنے شاہزادگان کے ہمراہ حج پر گئے چونکہ حج کے مناسک سیکھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے کسی عالم دین کو اپنے پاس نہیں بلایا بلکہ شاہزادگان سمیت اس وقت کے جلیل القدر عالم عطاء ابن ابی رباح کی خدمت میں گئے۔ یہ سیاہ فام حبشی غلام تھے لیکن علمی مرتبہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد ہیں۔ جب بادشاہ ان کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی نماز کافی لمبی تھی۔ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرکے فارغ ہوئے تو بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی لیکن کوئی خاص توجہ نہ کی۔ سلیمان نے خود مسائل دریافت کئے جن کے جوابات ملنے پر خود جانے لگا تو شاہزادوں کو ہدایت کی کہ تم ٹھہرو اور ادب واخلاق کی تعلیم اس عالم دین سے حاصل کرو۔ ہمراہیوں میں سے کسی نے بادشاہ سے دریافت کیا انھوں نے آپ کی طرف توجہ تو نہیں دی آپ شاہزادوں کو چھوڑے جا رہے ہیں تو جواب دیا کہ اس حبشی غلام نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس سے مجھ کو بادشاہی کے مقابل میں عالمِ دین کی حیثیت کا علم ہوگیا۔

مظہر جانجاناں قدس سرہٗ کے حضور میں شاہ عالم کی حاضری: حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر عالمانہ اَمَّا السَّفِيْنَةُ وہ کشتی کہ جسے ہم نے چیر دیا تھا۔ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ وہ چند ایسے کمزور مسکینوں کی تھی جو اسے بزورِ بازو ظالموں سے محفوظ نہ رکھ سکتے تھے اور ان کی وجہ معاش یہی کشتی تھی۔ وہ دس بھائی تھے ان میں پانچ تو لُنجے لنگڑے تھے۔ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ مزدوری کے طور پر دریا میں کشتی چلا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں سے ہیں۔ شاہی خاندان سے تعلق کی بنا پر انتہائی نازک مزاج تھے۔ ایک بار شاہ عالم بادشاہ ان کے ہاں ملنے کے لئے آئے دوران ملاقات بادشاہ کو پیاس لگی وہاں ایک صراحی رکھی تھی جس پر کٹورہ تھا۔ آپ نے بادشاہ کو فرمایا کہ صراحی رکھی پانی پی لیں۔ بادشاہ نے پانی پی کر کٹورہ رکھ دیا لیکن وہ کچھ ٹیڑھا رکھا گیا۔ مظہر جان جاناں نے فرمایا کہ سر میں درد پڑ گیا کہ کٹورہ رکھنے کی بھی تمیز نہیں بادشاہی کیا کرو گے۔

یہ واقعات علم و دولت کا فرق بتاتے ہیں کہ انسان علمی دولت کے حصول میں سر کی بازی لگا دے اگرچہ دنیا میں کوئی ظاہری عزت حاصل نہ بھی ہو تب بھی آخرت کی عزت اور اجر و ثواب سے مایوسی نہ ہونی چاہیے۔ لیکن یہ فوائد و خصائل و کمالات اس وقت نصیب ہوں گے جب استاذ کے متعلق عزت و احترام دل شاد ہو ورنہ بربادی و تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

باپ اور استاد سکندرِ اعظم سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ استاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں جواب دیا کہ میرا باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا استاد "ارسطو" مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا نیز باپ سبب حیات فانی ہے اور استاذ موجب حیاتِ جاودانی ہے۔

استاد کی عظمت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ نے جب حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کئے جب کتاب کا ورق پلٹنے کی نوبت آتی تو اس قدر احتیاط کرتے کہ آواز پیدا نہ ہو مبادا استاذ کو تکلیف پہنچے۔

امامِ اعظم اور حماد حماد ابن سلیمان جو حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے استاد ہیں۔ ان کی بیوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ تیس برس تک ہمارے گھر کا سودا لاتے رہے ہم نے اس خیال سے روکا کہ اتنے بڑے امام سے معمولی کام کیوں لیں۔ جواب میں کہا کہ یہ تو میری خوش قسمتی ہے اسے کیوں چھوڑوں۔

سرتاج نقشبند حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء میں سے ہیں۔ آپ نے مولانا حاجی محمد فضل سے علم دین پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔

فرماتے ہیں بوقت رخصت مجھے استاد صاحب نے پگڑی کے نیچے کی ٹوپی عنایت فرمائی۔ پندرہ سال تک میں نے اُسے پگڑی کے نیچے رکھا۔ پھر اس کے بعد دھونے کا خیال آیا تو رات کے وقت گرم پانی میں بھگو رکھا۔ صبح اس کو رگڑ کر اور مل کر صاف

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کسب معاش کرتے۔

عمل کا اسناد کل کی طرف یا تو تغلیباً ہے یا وکیل کا کام مؤکل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ بنا بریں اگرچہ کام بعض کرتے ہیں لیکن فعل کی نسبت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کیا اور پانی کو ضائع نہ ہونے دیا اس کا رنگ اطلاس سے مشابہہ تھا، وہ پانی میں نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پی لیا۔ جس کی برکت سے علم کے بے شمار دروازے میرے اوپر کھل گئے۔

استاد کی معمولی بے ادبی تباہی کا موجب ہے صاحب ہدایہ کے استاذ حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بار اپنے شہر سے دوسرے شہر کو جانے لگے تو سب لوگ حاضر ہوئے۔ امام زنجری رحمہ اللہ نہیں آئے۔ اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کر رہے تھے۔ اس لئے استاد کی زیارت سے محروم رہے جب اس کے بعد ملاقات ہوئی تو استاد نے شکایت کی۔ امام زنجری نے اپنا عذر پیش کیا۔ حضرت حلوائیؒ نے فرمایا کہ ماں کی خدمت کو استاد کی ملاقات پر ترجیح دی۔ اس لئے تمہاری عمر بڑھے گی لیکن علم دین کی درس و تدریس نہ کرسکو گے۔ تعلیم المتعلم میں ہے کہ جیسا کہ استاد نے کہا تھا ویسے ہی ہوا۔ علم سینے میں ہی قبر میں لے گئے لیکن کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکے۔

استاذ کے لڑکے کی تعظیم ایک بزرگ اپنے حلقۂ درس میں درس دے رہے تھے کہ خلاف معمول آپ اثنار درس میں کئی بار کھڑے ہوئے اور بیٹھتے رہے۔ اختتام درس پر اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا صاحبزادہ گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے کھیلتے کھیلتے جب وہ مسجد کے دروازے کے سامنے آجاتا ہے تو اس کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ استاد کی عزت میں اس کی اولاد کی توقیر بھی شامل ہے۔

استاد کی خدمت کی برکت رئیس الائمہ قاضی فخر الدین کے علوِ مرتبت کا کیا کہنا، شاہ وقت بھی ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ انھوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ میرا منصب جلیلہ صرف استاد کی خدمت کا مرہون منت ہے۔ علاوہ اور خدمات کے تیس (۳۰) برس تک میں اپنے استاد ابو زید دبوسی کا کھانا پکایا کرتا تھا اور بپاس ادب اس میں کبھی خود نہ کھایا تھا۔

شہزادے استاد کے قدموں پر خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے مامون کو علم و ادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا ایک دن ہارون الرشید درس گاہ میں جا پہنچے دیکھا کہ امام اصمعی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شاہزادگان پاؤں پر پانی ڈال رہے ہیں۔ ہارون نے امام سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسئلہ: شریعت میں فقیر ہر شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن نصاب زکوٰۃ کی مقدار سے کم ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

نے شہزادے کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اسے ادب سکھائیں۔ آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے اور دوسرے سے پانی ڈالے۔

استاد کے حضور میں امام ربیع فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالے کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی۔

اساتذہ کو ہدایات

خلاصہ: ① استاذ کا مقام ہر اعتبار سے عزت اور قدر و منزلت کا مستحق ہے استاذ کے اوصاف و اطوار ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کا مکمل و مجسم نمونہ ہو اور اس کی زیارت ہی سے تعلیم کے مقدس فیض کا عکس شاگرد کے دل میں کھنچ جائے۔

② جو استاذ اخلاقی برائیوں کو حسن اخلاق کے ذریعے رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاذ کہلانے کا مستحق نہیں۔ استاذ کا کام ذہن کو ترقی دینا اور نیک عادات کا پیدا کرنا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ علم کے سمندر میں تیرنے والے بچوں کو کشتی نہ بناؤ کہ وہ تمہارے دھکیلنے سے ہی چلیں۔ بلکہ انھیں اپنی ذاتی صلاحیت سے تیرنا سکھاؤ۔

③ شاگرد کا فرض ہے کہ انتہائی انکسار اور تواضع اختیار کرے اور اپنی اطاعت شعاری اور خدمت گذاری سے استاذ کی سختی کو بھی نرمی میں بدل دے تاکہ استاد سے فیض حاصل کر سکے۔

استاذ کی ناز برداری ابن عیینہ رحمہ اللہ تعالے سخت مزاج تھے۔ کسی نے کہا کہ طالب علم دُور دُور سے آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ ان سے خفا ہوتے ہیں کہیں وہ آپ کو چھوڑ کر چل نہ دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ تمہاری طرح احمق ہوں گے کہ وہ میری سخت روی کی وجہ سے اپنا فائدہ ترک کر دیں۔

شاگردوں کو ہدایات ① امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ استاذ کا احترام یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نکتہ بیان کرے اور وہ شاگرد کو معلوم ہو تو استاد پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ہمیں پہلے اس کا علم ہے۔

② بزرگوں کا فرمان ہے کہ استاد کے پہلو بہ پہلو نہ بیٹھنا چاہئے۔ اگر وہ فرمائیں تب بھی احتراز کرے ہاں اگر اس کے خلاف ان کو دل پر صدمہ پہنچتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ "الامر فوق الادب"۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت کے مطابق مال کو نصاب زکوٰۃ کہتے ہیں۔

مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت حاجت اصلیہ سے زاید ہو۔

مسئلہ : دوسو درہم یا اس کی قیمت کا مال نامی ہو یا نہ۔

مسئلہ : مسکین وہ ہے جس کا کچھ بھی نہ ہو۔

یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور شوافع فقیر و مسکین کی تعریف برعکس مانتے ہیں۔

مسئلہ : قاضی نے کہا کہ آیت سے ثابت ہوا ہے کہ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ مال ہو اگرچہ اس کی معاش کو غیر کافی ہو اسی لئے یہ "لام" تملیک پر محمول ہوگی۔

ف : مولانا سعدی مفتی نے فرمایا کہ "لام" تملیک کی اس وقت مانی جائے جب ثابت ہو جائے کہ وہ کشتی ان کی اپنی تھی۔ لیکن اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضروری نہیں کہ لام، تملیک ہو بلکہ ممکن ہے یہ تخصیص کی ہو اور وہ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ کشتی بطور عاریۃً یا اُجرت پر لے کر کام کر رہے تھے۔ اسی مناسبت سے کشتی کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے۔

ف : عاریۃً یا مزدوری کے مفہوم کی ~ . کفایہ نے شرح ہدایہ میں تصریح فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ یہاں پر فقرآ کے بجائے مساکین کہنے میں اشارہ ہو کہ وہ بادشاہ ظالم کی دستبرد سے کشتی کو بچانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ان میں چند لُنجے لنگڑے بھی تھے اور مسکین عرف عام میں ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی وجہ سے ذلت و خواری کا شکار ہو خواہ اس کے پاس مال ہو یا نہ۔ اس معنے پر فقہی مسکین اور ہوگا اور عرف عام کے اعتبار سے اور۔ یہاں پر وہی عرف عام والا مسکین مراد ہے نہ کہ عرف خاص یعنے فقیہانہ مسکین (یہ تحقیق صرف شوافع کے مفہوم کے رد میں لکھی گئی ہے جب کہ ان کے مسکین کے معنے کی تائید اسی آیت سے ہوتی تھی۔ ہم نے اوپر اس کے متعلق تفصیل عرض کر دی ہے۔

فَاَرَدْتُّ میں نے اللہ تعالٰے کے ارادہ و مشیت اور اس کے حکم سے ارادہ کیا۔ اَنْ اَعِیْبَهَا کہ اسے عیب دار کر ڈالوں۔ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ حالانکہ ان کے آگے تھا۔ یہاں پر وراء بمعنے امام بمعنے آگے کے لیا گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بہر حال استاد کا ادب و احترام ہر لحاظ سے لازم ہے اور جتنا جلیل القدر مشائخ عظام اور علماء کرام گذرے ہیں سب نے علوم تبت اور فیوض و برکات اساتذہ کی خدمات اور ان کی کفش برداری کے طفیل حاصل کئے ہیں۔

استاذ اور ماں باپ اور پیر و مرشد کا بے ادب اور انھیں رنجیدہ کرنے والا کبھی سرفرازی نہ پائے گا اگرچہ دنیا میں کسی طریقے سے بچ گیا تو آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔

جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ

یہاں پر بھی وراء بمعنے آگے ہے۔ یہ لفظ فوق کی طرح ذواضداد سے ہے یعنی جیسے فوق میں اوپر نیچے ہر دونوں ہوتے ہیں ایسے ہی وراء میں ہر دونوں آگے پیچھے کے معانی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ قصص میں اس پر مزید بحث آئے گی (انشاء اللہ)۔

مَّلِكٌ بادشاہ کا نام جلندی ابن کرکر تھا وہ شہر قرطبہ کے جزیرہ اندلس رہتا تھا۔ دریائی فسادات ڈالنے والا یہی پہلا شخص تھا جیسے زمین پر پہلا فساد ہابیل کو قابیل کا قتل ہے۔ (کذا ذکرہ ابو اللیث فی تفسیرہ تحت آیت ظہر الفساد)۔

يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ وہ ہر صحیح وسالم اور اچھی کشتی کو چھین لیتا تھا۔ یہ ایجاز الحذف کے قبیل سے ہے۔

غَصْبًا ۝ یعنے کشتی والوں سے جبراً کشتیاں چھین لیتا تھا۔ اس کا منصوب ہونا یا تو علے المصدریت (مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے)، ہے جو کہ کشتی چھیننے کی نوعیت کو بیان کرتا ہے یا علی الحالیۃ غصبا بمعنے غاصبا ہے۔ "الغصب اخذ الشیء ظلما وقھرا"، یعنے ظلم وقہر کے طور پر کسی سے کوئی شے لینے کو عربی میں "غصب" کہتے ہیں اور شے مغصوب کو بھی غصب کہا جاتا ہے۔

ف: یعنے خضر علیہ السلام نے کشتی کو غصب کے خوف سے عیب دار فرمایا۔

نکتہ: وجہ بتانے کی تاخیر مہتم بالشان ہونے کے لحاظ سے ہے اور باقی وجوہ سے اسے مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ خضر وموسے علیہما السلام کو سب سے پہلے یہی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے بھی سوال اسی کے متعلق فرمایا کہ اخرقتها لتغرق اهلها۔ اب اس کی وجہ بتائی کہ ہم نے کشتی کو عیب دار کشتی والوں کو غرق کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ اس لئے کہ وہ ظالموں کی دستبرد سے بچ جاتے۔ چنانچہ مروی ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ اکھاڑنے کے بعد کشتی والوں کو بتایا کہ تمھارے آگے ایک ظالم بادشاہ ہے جو جبراً کشتیاں چھین لیتا ہے لیکن جو کشتی عیب دار ہوگی اسے نہیں چھینے گا۔ میں نے تمھاری کشتی کو اسی لئے عیب دار بنایا ہے تاکہ ظالم بادشاہ تم سے کشتی نہ چھین سکے۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ کشتی تھوڑی دیر آگے کو چلی تو بادشاہ کے کارندے آگئے اور کہا کہ بادشاہ نے کشتی لانے کا حکم فرمایا ہے بشرطیکہ اس میں عیب نہ ہو۔ یہ کہہ کر کشتی کی دیکھ بھال کو لگ گئے کشتی تو عیب دار تھی ہی، چنانچہ کشتی کا عیب دیکھ کر کشتی والوں کو چھوڑ کر چلے گئے جب دور نکل گئے تو خضر علیہ السلام نے اکھڑے ہوئے تختے کو اپنی جگہ پر چسپاں کردیا جس سے کشتی بدستور صحیح سالم ہوگئی۔

مثنوی شریف میں ہے:

گر خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ: اگر خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی توڑی تھا تو ہزاروں فائدے اس کے اندر مضمر تھے۔
ظاہراً تخریب تھی تو باطناً تعمیر مطلوب تھی۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) آن یکے آمد زمین را می شگافت
ابلہی فریاد کرد و بر نتافت

(۲) کیں زمین را از چہ ویران می کنی
می شگافی و پریشان می کنی

(۳) گفت اے ابلہ برو بر من مران
تو عمارت از خرابی باز دان

(۴) کی شود گلزار و گندم زار ایں
تا نگردد زشت و ویراں ایں زمین

(۵) کی شود بستان و کشت و برگ بر
تا نگردد نظم او زیر و زبر

(۶) تا نشگافی بلنشتر ریش چغز
کی شود نیکو و کی گردید نغز

(۷) تا نغوزد خلطہایت از دوا
کی رود شورش کجا آید شفا

(۸) پارہ پارہ کرد درزی جامہ را
کس زند آن درزی علامہ را

(۹) کہ چرا ایں اطلس بگزیدہ را!
بر دریدی چہ کنم بدریدہ را

(۱۰) ہر بنای کہنہ کآبادان کنند
نے کہ اول کہنہ را ویران کنند

(۱۱) ہمچنین نجار و حداد و قصاب
ہستشان پیش از عمارتہا خراب

(۱۲) آن ہلیلہ واں بلیلہ کوفتن
زان تلف کردند معموریٔ تن

(۱۳) تا نکوبی گندم اندر آسیا!
کی شود آراستہ زان خوان ما

ترجمہ: (۱) ایک شخص زمین کو چیرتا لیتے ہل چلا رہا تھا۔ ایک بے وقوف نے شور مچایا کہ زمین کو خراب کر رہے ہو۔

(۲) زمین کو کیوں ویران کرتا ہے اسے چیر کر برباد کر رہا ہے۔

(۳) اس نے کہا، اے بے وقوف! چل تجھے کیا خبر کہ میں اس زمین کو آباد کر رہا ہوں، تجھے تعمیر و تخریب کی تمیز نہیں۔

(۴) اگر میں ایسا نہ کروں تو اس سے باغات اور گندم کیسے پیدا ہوگی اگر ایسا نہ کروں تو الٹا زمین خراب اور ویران ہو جائے گی۔

(۵) اگر ایسا نہ کروں تو اس سے پھول، مکھیاں، سبزیاں کہاں سے آئیں گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین کا نظم و نسق برباد ہو جائے گا۔

(۶) اگر انگور کا ریشہ نہ کاٹا جائے تو وہ خود بھی اچھا نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے میوے پیدا ہوں گے۔

(۷) اگر تیری فاسد خلطیں دور سے باہر نہ پھینکی جائیں تو تیری طبیعت کی شورش نہ جائے گی اور شفایاب نہ ہوگا۔

(۸) درزی نے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جسے مالک نے ٹوکا کہ اس کا نقصان کیوں کر دیا۔

(۹) کہ تو نے اطلس جیسے قیمتی کپڑے کو کاٹ ڈالا۔ اب میں اس کٹے ہوئے کپڑے کو کیا کروں۔

(۱۰) جو کوئی ویران زمین کو آباد کرتا ہے تو وہ پہلے اسے ویران کرتا ہے۔

(۱۱) ایسے ہی ترکھان، لوہار اور قصاب کا حال ہے کہ وہ پہلے اپنے معاملات میں ویرانی کرتے ہیں۔

(۱۲) ہلیلہ و بلیلہ کو کوٹا جاتا ہے تو پھر بدن کی تعمیر ہوتی ہے۔

(۱۳) جب تک گندم کو چکی میں پیسا نہیں جاتا اس وقت تک وہ روٹی ہمارے دستر خوان کی زینت نہیں بن سکتی۔

نسخہ روحانی: وجودِ مجازی کی فنا وجودِ حقیقی کے حصول کا سبب ہے جب تک بشریت اور اس کے اوصاف باقی ہوں اس وقت تک اخلاق الٰہیہ کا ظہور نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں چند اشارات ہیں:

① کشتی کا چیرنا اور اسے عیب دار کرنا اس غرض پر کہ اسے ظالم نہ لے جائے۔ اگرچہ بظاہر شرعاً ناجائز ہے لیکن اندرونی طور پر اس میں کشتی والوں کا فائدہ تھا۔ اسی لئے شرع کے باطنی امور کے اعتبار سے جائز ہو گیا اور ایسے ہی امور شرعاً بھی جائز ہوتے ہیں جب مجتہد کو معلوم ہو کہ اس کے ظاہر پر عمل کرنے سے باطناً بہت بڑا فساد ہو گا جب یہ حقیقت کے مطابق ہو چنانچہ خضر علیہ السلام نے اس کی وجہ خود بتائی: وکان ورآءھم ۔ الآیۃ۔

② جب اللہ عام مسکین بندوں پر ایسی نظرِ عنایت رکھتا ہے کہ ان کی بے خبری میں دشمنوں ظالموں کا حملہ ہوتا تھا لیکن انھیں اپنے فضل و کرم سے بچا لیا تو پھر اپنے انبیاء علیہم السلام پر اس کی کتنی عنایات بے نہایات ہوں گی۔ اور ان سے کتنی بلائیں اور مضرتیں دفع فرماتا ہو گا۔

③ بظاہر کبھی سالکین یعنے غیر انبیاء کی مصلحت کو انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگرچہ درحقیقت باطناً اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح ہوتی ہے مثلاً موسٰی علیہ السلام کی مصلحت کو کشتی والوں کی مصلحت پر ترجیح دی گئی جو بظاہر موسٰی علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے جدائی کا موجب بنا اور جدائی رسالت و نبوت کے امور کی سرانجامی کا سبب بنا کہ وہ یہاں سے جدا ہو کر بنی اسرائیل کی تربیت میں لگ گئے اور یہی بات حضرت موسٰی علیہ السلام کے حق میں افضل و اولیٰ تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہتے۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اس میں ایک اور اشارۂ لطیف ہے وہ یہ کہ کشتی والوں نے خضر و موسٰی علیہما السلام کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی تعظیم و تکریم میں ان سے کرایہ بھی نہ لیا۔ اللہ تعالٰی نے ان کے عوض میں انھیں بہتر صلہ عطاً فرمایا کہ بہت بڑے ظالم سے ان کی کشتی کو بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی تعظیم و تکریم اور ان کے آداب بجا لانے میں دارین کی فلاح و بہبودی ہے (لکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)[1]

تفسیر عالمانہ

وَاَمَّا الْغُلٰمُ۔ بہرحال اس نوجوان جیسور نامی کے قتل کر دینے میں مصلحت یہ کہ فَكَانَ اَبَوٰهُ اس کا باپ کازبرا اور اس کی ماں سہوی تھی۔ (کذا فی التعریف)

مُؤْمِنَيْنِ۔ ہر دونوں مومن تھے یعنے اللہ تعالٰی کی توحید کے اقراری تھے۔ فَخَشِيْنَا۔ پس خطرہ ہوا ہمیں۔ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا۔ یہ رہقہ بمعنے غشیہ ولحقہ سے مشتق ہے اس کی گردن ارھقتہ طُغْيَانًا بمعنے اغشاہ

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

اباہ و الحق ۃ اللہ بہ (کذا فی القاموس)۔

شیخ نے اس کا ترجمہ یکلفہما کیا ہے۔

طُغْيَانًا بمعنے ضلالۃ ہے۔ وَّكُفْرًا ۝ یعنے وہ نوجوان اپنے ماں باپ کو گمراہی اور کفر کے گھاٹ اتار دیتا۔ اور وہ بھی لڑکے کی محبت میں مبتلا ہوکر بطیب خاطر ایمان سے ہاتھ دھوکر گمراہ ہو جاتے اور خضر علیہ السلام کو چونکہ اللہ تعالے نے بتلا دیا تھا کہ یہ لڑکا جبلی کافر ہے اس لئے اسے قتل کر دینا مناسب ہے۔

فَاَرَدْنَآ۔ پس ہم نے چاہا۔ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً۔ کہ ان کا رب تعالے انھیں نعم البدل عطا فرمائے جو اس مقتول سے بہتر ہو اور گناہوں اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہو۔ وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ اور شفقت اور خدمت گذاری کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔

اعجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہانے فرمایا کہ ان اللہ تعالےٰ نے ان دونوں کو ایک بچی بخشی جس کے ساتھ کسی نبی علیہ السلام نے نکاح کیا۔ جس کی نسل سے ستر انبیاء علیہم السلام پیدا ہوتے۔

ف: جب وہ نوجوان پیدا ہوا تو اس کے ماں باپ بہت زیادہ خوش ہوئے اور جب مارا گیا تو بہت غمگین ہوئے۔ اگر زندہ رہتا تو ان کو بھی جہنم میں لے ڈوبتا۔

مسئلہ: انسان کو اللہ تعالے کی قضا و قدر پر راضی رہنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالے کی ہر تقدیر انسان کے لئے بہتر ہوتی ہے۔

ے

(۱) ان پسر را کش خضر ببرید حلق
سر آنرا در نیابد عام خلق

(۲) آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست
نائب است و دست او دست خداست

---

(۳) بس عدوہا کہ آن یارے بود
بس خرابہا کہ معماری بود

ترجمہ: (۱) جس لڑکے کی (خضر علیہ السلام) نے گردن کاٹی اس کا راز عام انسانوں کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

(۲) جو ذات جان بخشتی ہے اور اگر وہ جان لے لے تو کون سا حرج ہے اور یہ ولی اللہ بھی اس کا نائب ہے۔ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

(۳) بہت سی عداوتوں میں بہتری ہوتی ہے اور بہت سے خرابیوں میں آبادی ہوتی ہے۔
بہت سے بظاہر دشمن نظر آتے ہیں درحقیقت وہ دوست ہوتے ہیں اور بہت سے بظاہر دوست ہیں درحقیقت وہ دشمن ہوتے ہیں۔
ف یا دشمن سے بھی عقلمند انسان بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے مثلاً دشمن عیوب گنتا ہے تو اسے اپنے عیوب کا علم ہو جاتا ہے ورنہ دوست کو عیوب کو محاسن سمجھتا یا انھیں محاسن بنا کر سناتا ہے یا چشم پوشی کرتا ہے۔ اسی لئے دوست سے عیوب کا پتہ نہیں چلتا۔
مثنوی شریف میں ہے : ؎

درحقیقت دوستانت دشمنند
کہ ز حضرت دور و مشغولیت کنند
درحقیقت ہر عدو داروئے تست
کیمیا و نافع و دلجوئے تست
کہ ازو اندر گریزی در خلا
استعانت جوئی از لطف خدا

ترجمہ: (۱) درحقیقت تیرے یہ دوست، دشمن ہیں جو تجھے درگاہِ حق سے دور اور مشغول کرتے ہیں۔
(۲) درحقیقت ہر دشمن تیرا دوا ہے بلکہ کیمیا، نافع اور دل جُو ہے۔
(۳) تاکہ تم برائی سے بھاگو اور اللہ تعالٰی کے لطف سے مدد مانگو۔

حکایت ایک واعظ بزرگ تھے وہ اپنی دعا میں ڈاکوں کو شامل کرتا تھا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے راہ سلوک انہی ڈاکوؤں کی وجہ سے نصیب ہوا۔ صورت یوں ہوئی کہ میں بہت بڑا تاجر تھا۔ تجارت کا مال کہیں لے جا رہا تھا راستہ میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا، مال بھی لوٹا اور میری بھی خوب مرمت کی۔ اس دن کے بعد جب بھی مجھے تجارت کا خیال آتا تو ڈاکوں کے ڈنڈے یاد آ جاتے۔ اسی لئے تجارت کو خیرباد کہہ کر سالکین راہ حق کی صحبت اختیار کر لی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں چند اشارات ہیں :
(۱) نفس زکیہ کو بلا جرم قتل کرنا شرعاً حرام ہے اگرچہ اس میں دوسرے کا فائدہ مطلوب ہے لیکن شرع کے باطن میں جائز ہے۔ بشرطیکہ قتل کرنے والا امور کے انجام کا عارف ہو اور اسے یقین ہو کہ واقعی اس کی

زندگی دوسرے کے دین وایمان کے فساد کا سبب بنے گا جیسے خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کرکے اس کی مصلحت بتادی۔ واما الغلام الآیۃ۔ اس لئے کہ اگر وہ نوجوان ایک مدت تک زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کے دین وفساد کا سبب بنتا۔ اس وقت بھی اگرچہ اس کے اندر شقاوت طبعی موجود تھی لیکن اپنی شقاوت سے دوسرے کو شقی بنانے کے لئے کچھ وقت چاہئے اور وہ نوجوان ابھی خود شقاوت کے کمال کو نہیں پہنچا تھا کہ ابھی اس کی عمر چھوٹی تھی اور نہ ہی اعمال کفر اس سے سرزد ہوئے تھے اس لئے ابھی ماں باپ کے اعمال کے زیر اثر تھا۔

(۲) بہت سے امور سے ہم محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مضر ہوتے ہیں اور بہت سے امور سے ہم کراہت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مفید ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

عسی ان تکرھوا شیا وھو خیر لکم الآیۃ

جیسے اس نوجوان کے والدین نے بلاجرم اپنے بیٹے کے قتل کو برا محسوس کیا اس لئے کہ وہی لڑکا ان کے دل کا ٹکڑا تھا اور حسین بھی تھا۔ اسی طرح لڑکا خود بھی اپنا قتل نہیں چاہتا تھا لیکن اس میں سب کا فائدہ تھا۔ ماں باپ کا تو اس لئے کہ وہ شقاوت اور کفر سے بچ گئے اور لڑکا بھی کہ اگر وہ بڑا ہوتا تو شقاوت وکفر کے ارتکاب سے جہنم میں جاتا۔ خضر علیہ السلام کی کارروائی سے سب کا بھلا ہوگیا۔

(۳) اللہ تعالٰی کی عادت کریمہ ہے کہ جب کسی بندے سے محبوب ترین شے چھین لیتا ہے تو اسے بہتر وبرتر شے عنایت فرماتا ہے۔ بشرطیکہ چھینی ہوئی شے پر وہ صبر وشکر کرے تو بظاہر اگر وہ چھینی ہوئی شے اسے محبوب محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ ہزاروں مضرتوں کا مجموعہ تھی۔ اس کو اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی سے سمجھئے۔ کما قال فی ہذا المقام:

فاردنا ان یبدلھما ربھما (الآیۃ) (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شریعت وطریقت کے صابرین وشاکرین سے بنائے اور ہمارے لئے وہی کرے جس میں ہماری بہتری ہو اور جو ہمیں حقیقت کے کمال تک پہنچا دے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الْجِدَارُ بہرحال وہ دیوار جسے خضر علیہ السلام نے سیدھا کر دیا تھا۔ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان یتیموں میں سے ایک کا نام 'اصرم' دوسرے کا نام 'صریم'، اور ان کے والد کا نام کاشح تھا۔ یہ سیاح اور نہایت متقی انسان تھا۔ ان دونوں یتیموں کی والدہ کا نام دینا تھا۔ (کذا ذکرہ النقاش)

فِي الْمَدِيْنَةِ. اس بستی میں جس کا نام انطاکیہ تھا جس کا پہلے ذکر گذرا ہے ۔ وَكَانَ تَحْتَهُ. اور اس دیوار کے نیچے تھا۔ كَنْزٌ لَّهُمَا. ان دونوں کا خزانہ ۔ کنز، ہر اس مال کو کہتے ہیں جسے کوئی انسان زمین میں دفن کرے اس کی گردان کنز، یکنز، آتی ہے بمعنے (دفن یدفن) یعنے ان بچوں کا سونے اور چاندی کا مال اسی دیوار کے نیچے مدفون تھا۔ اسی طرح مرفوع حدیث میں مروی ہے۔ اور یہی مطلب راجح ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں سونے اور چاندی کو خزانہ کرنے کی مذمت آئی ہے ؛

کما قال ؛

والذین یکنزون الذھب والفضۃ

جو لوگ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور دیگر حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس خزانے میں سونے یا سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس کی ایک طرف کندہ تھا ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عجبت لمن یومن بالقدر و کیف یحزن وعجبت لمن یومن بالرزق کیف ینصب عجبت لمن یومن بالموت کیف یفرح و عجبت لمن یومن بالحساب کیف یغفل وعجبت لمن یعرف الدنیا وتقلبھا باھلھا کیف یطمئن الیھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) وعجبت لمن یومن بالنار کیف یضحک۔

ترجمہ مع شرح

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ مجھے اس پر تعجب ہے جسے تقدیر پر ایمان ہے یعنے یقین رکھتا ہے کہ تمام امور اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر سے ہیں باوجود اس کے پھر بھی وہ غمگین ہوتا ہے جب کہ نعمت چھن جاتی ہے یا اس پر شدت کا حملہ ہوتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو رزق پر ایمان رکھتا ہے یعنے سمجھتا ہے کہ رزق کی تقسیم منجانب اللہ ہے اور جانتا ہے اللہ تعالےٰ ہر ایک کو رزق بخشے گا اس کے باوجود پھر بھی وہ رزق کے حصول میں جان کی بازی لگاتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جسے موت پر ایمان ہے یعنے مانتا ہے کہ وہ عنقریب مرے گا اور موت کی حقانیت پر یقین کرکے کے باوجود پھر بھی دنیا میں خوش ہے اور چھوٹی عمر پر خواہ مخواہ خوش رہتا ہے۔ اور مجھے تعجب ہے اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے یعنے ایمان رکھتا ہے کہ قیامت میں ہر چھوٹی بڑی شے کا

حساب لیا جائے گا اس کے باوجود پھر بھی غافل رہتا ہے اور دنیوی امور میں مشغول رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو دنیا اور دنیا داروں کو پریشان حال دیکھ کر پھر بھی دنیوی کاموں پر مطمئن ہے۔ درمیان میں لکھا تھا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے تعجب ہے اس پر جو نارِ جہنم کا اقرار کرتا ہے اور پھر بھی ہنستا رہتا ہے۔

اس کی دوسری جانب عبارتِ ذیل لکھی تھی:

انا اللہ لا الٰہ الا انا وحدی لا شریک لی خلقت الخیر والشر فطوبیٰ لمن خلقتہ للخیر واجریتہ علی یدیہ والویل لمن خلقتہ الشر واجریتہ علی یدیہ۔

میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ایک ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے میں نے خیر و شر کو پیدا فرمایا اسے مبارک ہے جس نے خیر پیدا فرمائی اور اسے اس کے آگے چلاتی ہے اور شر کو میں نے پیدا فرمایا اور اس کے

یہی جمہور کا قول ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" ان دونوں کا باپ نیک تھا اس کے پاس لوگ امانتیں رکھتے تھے تو ان کی امانتوں میں خیانت نہیں کرتا تھا بلکہ انھیں امانتیں صحیح سالم ادا کرتا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ان کے مال کو محفوظ فرمایا؛

الجوبہ: جعفر بن محمد نے فرمایا کہ ان دونوں اور اس صالح نیک بخت بزرگ کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا۔ اس معنے پر اب مطلب یہ ہوا کہ ان کے دادا کا مال تھا جس کی اللہ تعالےٰ نے اتنا عرصہ تک حفاظت فرمائی۔

کما قال:

فَأَرَادَ رَبُّكَ بس تیرے رب تعالےٰ نے ارادہ فرمایا یعنے خضر علیہ السلام کو دیوار کے سیدھا کرنے کا حکم فرمایا۔ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں بچے اپنے سن بلوغ اور کمال عقل مندی اور ہوشمندی کو پہنچ جائیں۔

حل لغات: بحر العلوم میں ہے کہ الاشد میں قوت کا معنے ہے اور یہ شدۃ کی جمع ہے جیسے نعمت کی جمع انعم

آتی ہے لیکن شدت کی تا جمع کے وقت محذوف کر دی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ایسی جمع ہے کہ جس کا واحد نہیں اور اشد کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کی عقلی تکمیل حاصل ہو۔ بعض نے کہا کہ بالغ ہونے کے بعد جس سے سمجھداری محسوس ہو اس کے سن کا آخری حصہ تینتیس (۳۳) یا اٹھائیس (۲۸) سال پر ختم ہوتا ہے۔

سوال: خضر علیہ السلام نے کشتی چیرتے وقت فعل کا اسناد صرف اپنی طرف فرمایا اور نوجوان کو قتل کے وقت "خشینا" جمع کا صیغہ کیوں، اور پھر دیوار کو سیدھا کرنے کے بعد فعل کا اسناد صرف اللہ تعالٰے کی طرف کیوں؟ کما قال: فاراد ربك ان یبلغا۔

جواب (۱): چونکہ پہلا کام قبیح تھا اسی لئے اس کا اسناد اپنی طرف کیا تاکہ تنزہ الٰہی کے خلاف نہ ہو دوسرے فعل میں چونکہ خشیۂ کفر تھا اسی لئے اس میں اللہ تعالٰے کی تائید شامل رکھی تاکہ اس کی مدد سے کفر کی خرابی سے حفاظت ہو۔ تیسرے فعل میں خیر محض تھی اسی لئے اس کا اسناد صرف اللہ تعالٰے کی طرف کیا گیا۔

جواب (۲): بعض نے کہا کہ جب خضر علیہ السلام نے فعل کا اسناد پہلی دفعہ اپنی طرف کیا تو اس پر اللہ تعالٰے کی جانب سے الہام ہوا کہ آپ کون ہیں کہ فعل کا اسناد اپنی طرف کر رہے ہیں!

[یہ بین العاشق والمعشوق کا بھید ہے اسے عتاب پر محمول نہ کیا جائے۔][1]

اس الہام کے بعد خضر علیہ السلام نے دوسرے فعل کے اسناد میں جمع کا صیغہ ملا دیا۔ کما قال: فاردنا۔ اس کے بعد پھر الہام ہوا کہ اس میں تمہاری اور موسےٰ علیہ السلام کی نسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ فلہٰذا تم کون ہو کہ میرے نام کے بغیر اپنا نام لے رہے ہو۔ اسی لئے آخر میں خضر علیہ السلام نے اللہ تعالٰے کا نام لیا۔

کما قال تعالٰے:

فاراد ربك ان یبلغا اشدھما۔

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا اور وہ دونوں بچے اپنا خزانہ اٹھائیں گے جب بڑے ہوں گے اگر میں اس دیوار کو سیدھا نہ کرتا تو دیوار گر جاتی اور خزانہ کھلا رہ جاتا جسے لوگ اٹھا لے جاتے اور بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی خزانہ لٹ جاتا۔

سوال: اس خزانے کو اگر یتیم یا ان کے متولی جانتے تھے تو وہ خود دیوار کو سیدھا کرتے اور اگر انھیں اس کا علم نہیں تھا تو پھر بچوں کے بڑے ہونے کے بعد انھیں کیسے معلوم ہوتا؟

جواب: اگر بچوں کو خزانے کا علم نہ تھا لیکن ان کے متولی کو معلوم تھا مگر وہ شہر سے باہر کسی کام کے لئے چلا گیا تھا جس وقت وہ باہر گیا تھا اس وقت دیوار کی حالت اچھی تھی لیکن جب خضر علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے تو متولی موجود نہ تھا۔ کذا

---

[1] از فقیر اویسی غفرلہٗ۔

فی بحر العلوم)۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ خزانے کے لئے بچوں کی لاعلمی کا قول غیر مسلم ہے اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے خزانے کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا اسی طرح اس کی قدرت وحکمت میں شامل ہے کہ وہ ان یتیموں کو وقت پر خزانے کا علم دے دے۔ اور ہر زمانے میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ بہت سے لوگوں کو بے خبری میں بے شمار خزانے ملے اور کنز لہما میں لام اختصاص کی ہے کہ وہ خزانہ صرف انہی دونوں بچوں کے لئے مخصوص تھا۔

نیز یہ قول بھی غیر معتبر ہے کہ وہ خزانہ ساتویں پشت کے بعد کی اولاد کو ملے اور پہلی چھ پشتوں والوں سے مخفی رکھا جائے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ یعنے ان بچوں پر تیرے رب کی رحمت سے خزانے کی حفاظت کی گئی۔

ف : رحمة مصدر حال کے قائم مقام ہے بمعنے مرحومین یعنے وہ دونوں رحمت الٰہی کے مستحق تھے نیز یہ بھی ہے کہ یہ ایک محذوف امر کی علت کے لئے ہو۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ رحمهما الله بذالك رحمة۔

وَمَا فَعَلْتُهُ ۔ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا کہ کشتی توڑی گئی اور نوجوان کو قتل کیا گیا اور دیوار کھڑی ہو گئی یہ تمام امور عَنْ اَمْرِیْ میں نے از خود نہیں کئے اور نہ ہی میرا اجتہادی معاملہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی خفی سے کیا ہے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے اشکال کی توضیح اور بظاہر جو امور شرع کے خلاف کے لئے ان کی معذرت کے اظہار کی تمہید مطلوب ہے۔

فائدہ روحانی مرید اور مرشد کے مابین جو شکوک وشبہات پیدا ہوں ان کے ازالہ کا یہی طریقہ ہے اس لئے کہ مرید اور مرشد کے درمیان شفقت ضروری ہے۔

ذٰلِكَ امور مذکورہ کے متعلق۔ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ یہی تاویل ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تسطع دراصل تستطیع تھا "تاء" کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے۔ اس سے خضر علیہ السلام کا ایفائے عہد ہے جس کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ ان امور کے متعلق وضاحت کروں گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے گریہ فرمایا مروی ہے کہ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے مفارقت کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ خاموشی سے چلتے رہتے تو میں آپ کو اس قسم کے ہزاروں عجائبات دکھاتا جو ہر ایک ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی جدائی کے وقت روئے! اور عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! مجھے وصیت فرمائیے۔

خضر علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو وصیتیں حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو الوداع کرتے وقت

مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں:

① علم اس لئے نہ پڑھنا کہ دوسروں کو بتاؤں گا بلکہ اس لئے پڑھنا کہ اس پر عمل کروں گا۔ اس لئے کہ جس نے علم پڑھ کر عمل نہ کیا بلکہ دوسروں کو نصیحت کرتا رہا تو اس علم سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جوع یوسف بود آن یعقوب را
بوئے نانش می رسید از دور جا

آنکہ بستد پیرہن را می شتافت
بوئے پیراہاں یوسف می نیافت

وآنکہ صد فرسنگ ز آن سو بوئے او
چونکہ بد یعقوب می بوئید بو

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب
حافظ علمست آنکس نے حبیب

مستمع از وے ہمی یابد مشام
گرچہ باشد مستمع از جنس عام

زآنکہ پیراہان بدستش عاریہ است
چون بدست آن نخاسی جاریہ است

جاریہ پیش نخاسی سرسریست
در کف او از برائے مشتریست

ترجمہ: ۱۔ چونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی بھوک تھی اسی لئے انہیں دور سے ان کی خوشبو آتی۔ لیکن جو یوسف کا پیراہن لا رہا تھا اس نے خوشبو نہ پائی۔

۲۔ اور تین سو میل دور خوشبو تھی جسے یعقوب علیہ السلام نے سونگھا۔

۴۔ بہت سے عالم اپنے علم سے بے نصیب ہیں علم کا حافظ تو ہے لیکن ۔۔ بوب خدا نہیں۔

۵۔ اس سے علم حاصل کرنا چاہئے اگرچہ اس سے علم حاصل کرنا والا عام آدمی ہے۔

۶۔ اس پیراہن لانے والے کے ہاتھ میں پیراہن عاریت کا تھا جیسے بردہ فروش کے ہاں دوسرے کی

لونڈی عاریۃً کی ہوتی ہے ۔

۔ عاریت کی لونڈی بردہ فروش کے ہاں چند روز ہے اس لئے کہ دراصل وہ ہاں خریدنے والے کے لئے ہوتی ہے ۔

(۲) خضر علیہ السلام نے موسٰے علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دوسروں کو نفع دینا نقصان نہ پہنچانا ۔

(۳) ہر ملاقاتی سے بشاشت سے ملنا اس کے سامنے تیور نہ بدلنا نہ کسی سے غضب ناک ہو کر ملنا ۔

(۴) کسی کے سامنے ناجائز خوشامد اور چاپلوسی نہ کرنا ۔

(۵) کسی کے ہاں بلا ضرورت نہ جانا ۔

(۶) بلا وجہ نہ ہنسنا ۔

(۷) جب کوئی شخص اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرے تو پھر اسے وہی گناہ یاد دلا کر رسوا نہ کرنا ۔

(۸) کوئی غلطی ہو جائے تو تادمِ زیست آنسو بہاتے رہنا ۔

(۹) آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا ۔

(۱۰) آخرت کی فکر میں رہنا ۔

(۱۱) جو تمہاری پرواہ نہیں کرتا اس کے آگے خواہ مخواہ اظہار عجز نہ کرنا ۔

(۱۲) جو تم سے نہیں ڈرتا اس سے بے خوف نہ رہنا ۔

(۱۳) خوف الٰہی کے وقت اس سے ناامید بھی نہ ہونا ۔

(۱۴) اپنے امور کی تدبیر علانیہ طور پر کرنا ۔

(۱۵) کسی پر احسان کرنے میں حتے الامکان کمی نہ کرنا ۔

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ بس کیجئے، اللہ تعالٰی نے آپ کو نعمتوں سے نوازے اور آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپے اور آپ کو دشمنوں سے محفوظ فرمائے۔ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بھی مجھے کچھ نصیحت فرمایئے :

موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام کو وصیتیں موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا :

(۱) اگر کسی پر ناراضگی ہو تو اللہ کے لئے ۔

(۲) دنیا سے محبت نہ کرنا اس لئے کہ اس کی محبت بندے کو ایمان سے خارج کر کے کفر میں داخل کر دیتی ہے ۔

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب بس کیجئے، اللہ تعالیٰ طاعات میں آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو ہر معاملہ میں مسرور فرمائے اور مخلوق کی نظروں میں آپ کو محبوب بنائے اور اپنے فضل وکرم سے نوازے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی دعا پر کہا: آمین۔ (کذا فی التعریف والاعلام للامام السہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ)

فائدہ تصوف موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ قرآنی سے ثابت ہوا کہ علم ظاہری شرعی کو کمال اور ترقی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کے ساتھ علم باطنی حاصل کر کے حقائق امور پر آگاہی حاصل کی جائے (کذا فی تفسیر الامام)

تصوف یعنی علم باطنی کے منکر کو کوڑا

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے:

قال بعض العارفین من لم یکن له	بعض عارفین کا فرمان ہے کہ جسے علم باطنی سے حصہ
نصیب من هذا العلم ای العلم	نصیب نہیں اس کے خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ
الوهبی. الکشفی اخاف علیه سوء الخاتمة[1]	ہے۔[1]

ف: اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ کم از کم اس علم باطنی (کشفی) کو مانے اور یقین رکھے کہ یہ علم حق ہے۔ (الحمد للہ ہم اہلِ سنت عوام کو یہ مرتبہ نصیب ہے) (اویسی)۔ اور اس کے منکرین کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ اس علم سے یکسر محروم ہوتے ہیں حالانکہ یہی علم مقربین و صدیقین و عارفین کا ہے۔ (کذا فی احیاء العلوم)

[ناظرین! اس حوالہ کو خوب غور سے پڑھ کر حق و باطل کا امتیاز کریں[2]]

تفسیر صوفیانہ

آیت میں مندرجہ ذیل چند اشارات ہیں:

(۱) اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال شفقت اور حکمت کا اظہار ہے کہ اس نے اپنے دو نبیوں کو بالخصوص موسیٰ و خضر علیہما السلام جیسے پیارے پیغمبروں کو دو چھوٹے بچوں کے کام میں لگایا۔

(۲) اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام دنیوی امور میں جد و جہد کرتے ہیں جب کہ ان امور میں ان کا

---

[1]: روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۲۷۸۔

[2]: اس سے ان منکرین کو سبق لینا چاہئے جو کہتے ہیں علم باطنی اور علم تصوف کوئی چیز نہیں۔ یاد رہے کہ تصوف کو لفظاً دیوبندی مودودی بھی مانتے ہیں لیکن اس باطنی تصوف کے وہ بھی نہ صرف منکر ہیں بلکہ تقریباً اس کے اکثر مسائل کو شرک گردانتے ہیں اور وہابیوں، پرویزیوں اور نیچریوں کی تو بات ہی کیا۔ (اویسی)